
ماہنامہ
مسلمان بچے
®
لاہور
212
ذیقعدہ ۱۴۴۶/مئی 2025
اُمت کا
خیر خواہ کون؟
خواب
سے
حقیقت
تک
شاہی سواری
دادا جی کی موٹر سائیکل کی مسکراتی داستان
رازِ سربستہ، سلطان ٹیپو شہید
اور ڈھیروں رنگا رنگ تحریریں

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

ذیقعد ۱۴۴۶ھ بمطابق مئی 2025ء

شمارہ: 11 جلد: 18

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ زرتعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبہ ابنِ مبارک

37۔حق سٹریٹ
اردو بازار۔لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو، جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں، خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا، سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں۔ (النساء)

حمد باری تعالیٰ

مجھے زندگی ملی ہے، ہے کرم ترا خدایا
یہ جو سانس چل رہی ہے، ہے کرم ترا خدایا
جو زباں مجھے ملی ہے ترے ذکر سے سجی ہے
مرے لب پہ بس یہی ہے، ہے کرم ترا خدایا
ہوئی ہر تمنا پوری ہوئے دل کے پورے ارماں
بھلا کونسی کمی ہے، ہے کرم ترا خدایا
کوئی فکر ہے نہ الجھن تو نے بھر دیا ہے دامن
کہ تری عطا ہوئی ہے، ہے کرم ترا خدایا
مرے لب پہ تیرا کلمہ مرا دل ہوا ہے کعبہ
مری آنکھ میں نمی ہے، ہے کرم ترا خدایا
کبھی وحشتوں کے سائے نہ مرے قریب آئے
کہ سکون دائمی ہے، ہے کرم ترا خدایا

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہ خدا میں خرچ کردوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچا لوں۔ (صحیح بخاری)

نعت رسول مقبول ﷺ

کیا کروں عرض تری شان، میں قربان جاؤں
دونوں عالم کی ہے تو جان، میں قرباں جاؤں
انبیاء یوں تو بہت آئے جہاں میں لیکن
تجھ پہ نازل ہوا قرآن، میں قرباں جاؤں
تیرے در پر تو بنے بیٹھے ہیں سلطاں بھی فقیر
تو ہے سلطانوں کا سلطان، میں قرباں جاؤں
جو ہے سردار ملائیک وہی جبرائیل امیں
تیرا حاجب تیرا دربان، میں قرباں جاؤں
اک پیالہ تھا تو اک بوریا اے شاہ امم
تیری پونجی ترا سامان، میں قرباں جاؤں
تجھ سے پیاری میں رکھوں جان تو کیسا ایمان
تجھ پہ لایا ہوں میں ایمان، میں قرباں جاؤں



ایک دُعا یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ
فِیْمَا اَعْطَیْتَنِیْ

ترجمہ: یا اللہ! جو رزق آپ مجھے عطاء کریں اس پر قناعت عطاء فرما دیجئے اور مجھے اس میں برکت دے دیجئے۔

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ مَعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔ (سنن ابوداؤد)

انتخاب: خالد رؤف

کب سدا جبر کا نظام رہا

جہاں میں جب بھی کہیں کفر کا نظام رہا
ہمیشہ دار و رسن کا ہی اہتمام رہا
اسی کو تمغہ عطاء امن و آشتی کا ہوا
وہ جس کے عہد میں مقتل کا التزام رہا
جو جاں بلب تھے سدا کے وہ جاں بلب ہی رہے
جو تشنہ لب تھے ہاتھوں میں ان کے جام رہا
لگائی جس نے بھی نعرۂ حریت کی صدا
اس ایک جرم میں برسوں وہ زیر دام رہا
ملا ہے تیغ و ترقی میں ان کو جب بھی کمال
نظام آتش و آہن سے ان کو کام رہا
ہوئی ہیں جب بھی فتوحات اہل باطل کو
تو اہل حق کا ہمیشہ ہی قتل عام رہا
ہے انتباہ یہ لازم ستمگروں کے لیے
ستم ہی ردعمل بن کے انتقام رہا
کڑا ہے وقت یہ انورؔ تو کٹ ہی جائے گا
ہے کب جہاں میں سدا جبر کا نظام رہا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

آہ! مظلوم فلسطین......اُمت مسلمہ کا بہتا لہو......

فلسطین کے مظلوم مسلمان، معصوم بچے، بے گناہ مائیں بہنیں، نہتے نوجوان......

مگر ان کی غیرت، ان کا ایمان، ان کا حوصلہ......سبحان اللہ!

دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت ان کے جذبے کو توڑنے میں ناکام ہے......

کیونکہ ان کے دلوں میں لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی ہے......

آہ! کیسا مقدس خون ہے جو اس مٹی پر بہہ رہا ہے......

ان کے بس میں جو تھا وہ کر رہے ہیں......

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم بھی اپنی ذمہ داری نبھا رہے ہیں؟

یاد رکھیں!

یہ وقت آنکھیں بند کرنے کا نہیں،

یہ وقت ٹھنڈی سانسیں بھرنے کا نہیں،

یہ وقت سوشل میڈیا پر دو لائنیں لکھ کر فرض ادا کرنے کا نہیں......

یہ وقت ہے! اصل تیاری کا......حقیقی صف بندی کا......اصل دشمن شناسی کا!

اصل حق تو مال و جان سے لڑنے میں ہے۔

یہی وہ حق ہے جو غزہ کے جانباز ادا کر رہے ہیں......

جنہوں نے موت کو جینے کا وسیلہ بنا لیا ہے۔

لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟

کیا خاموش بیٹھ جانا کافی ہے؟

نہیں!

جب تک میدان عمل نہ کھلے......

تب تک زبان، دل، عقل اور نیت کو تو صفِ حق میں شامل کرو!

جو غزہ کی مخالفت کر رہا ہے اس سے تعلق ختم کر دو!

جو غزہ کے شہداء پر طعن کر رہا ہے اسے چھوڑ دو!

جو خاموش بیٹھا ہے مصلحت کے لبادے میں چھپا ہے اسے بے نقاب کر دو!

جو بے حسی کے ساتھ صرف تماشائی بنے بیٹھے ہیں ان سے سوال کرو!

اور ہاں......

جذبات کافی نہیں، عملی تیاری ضروری ہے۔

☆ قرآن، حدیث، صحابہ کی مبارک زندگیوں سے جہاد کو پڑھیں اور سمجھیں۔

☆ اپنے نظریے کو، سوچ کو، دل و دماغ کو، روح کو تیار کرو۔ یہ سب سے پہلی صف ہے۔

☆ ورزش شروع کریں۔ کمزور جسم سے طاقتور قدم نہیں اٹھتے۔ اپنے جسم کو مضبوط بنائیں۔

☆ ہتھیاروں کا استعمال سیکھیں۔ ہتھیار مومن کا زیور ہیں۔ جس قدر ممکن ہو سکے ان کے بارے میں علم حاصل کریں۔ اس کو چلانا سیکھیں۔

☆ گھڑسواری سیکھیں۔ یہ سنت بھی ہے اور جنگی مہارت بھی۔

☆ اپنے نفس کو ماریں، عادتوں کو سدھاریں، شخصیت کو سنواریں، اپنے اخلاق کو بہتر سے بہتر بنائیں۔

☆ دعا کریں! دل سے، آنکھوں سے، سجدوں میں، تنہائیوں میں......

☆ حق کے ساتھ کھڑے ہو جائیں کھل کر! واضح ہو کر! تاکہ اللہ ہمیں ان لوگوں میں شمار کرے جن سے وہ راضی ہو۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کا حامی و ناصر ہو۔

آمین یارب العالمین

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو امامہ



خواب سے حقیقت تک

حمیرا رشید

تمہاری ذمہ داری صرف وعظ و نصیحت تک محدود نہیں، بلکہ تم پر لازم ہے کہ تم اپنے جسم، ذہن اور مال سے بھی دین کی سربلندی کے لیے تیار رہو!

"اُٹھو بیٹا! فجر کا وقت ہو چکا ہے!"

یوسف کی ماں نے اسے ہلایا تو وہ چونک کر جاگا۔ خواب ابھی بھی اس کی آنکھوں میں تازہ تھا۔ اس نے خود کو ایک میدانِ جنگ میں دیکھا تھا، جہاں مسلمان نہتے تھے اور دشمن جدید ہتھیاروں سے لیس، ہر طرف خاک اور خون کا منظر تھا۔

اس نے گھبرا کر کہا: "ہم کمزور کیوں ہیں؟"

اور ایک گرجتی آواز آئی: "کیونکہ تم نے طاقت کا راز بھلا دیا!"

یوسف ہڑبڑا کر اُٹھا۔ وضو کیا اور مسجد کی طرف روانہ ہوگیا، مگر اس کے ذہن میں خیالات کا طوفان تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے اس نے تبلیغی جماعت کے ساتھ چلّے لگائے تھے، مختلف شہروں میں جا کر لوگوں کو دین کی طرف بلایا تھا۔ مگر اب وہ دیکھ رہا تھا کہ دنیا میں مسلمانوں پر ظلم بڑھتا جا رہا ہے۔ فلسطین، کشمیر، برما، اور خاص طور پر شام اور غزہ جہاں عالمی طاقتوں نے مسلمانوں کو مٹی میں ملا دیا تھا۔

"کیا صرف تبلیغ کافی ہے؟" وہ خود سے سوال کر رہا تھا

"اگر اسلام کو بچانے کے لیے صرف باتیں کرنی ہوتیں، تو نبی کریم ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ میں ایک اسلامی ریاست کیوں بناتے؟ اگر طاقت ضروری نہ ہوتی، تو کیا بدر، احد، اور خندق کے معرکے ہوتے؟"

فجر کے بعد، وہ سیدھا اپنے استاد، مولانا عبد الرحمن صاحب کے پاس پہنچا اور سوال کیا:

"استاد جی! مجھے بتائیں، کیا اسلام صرف وعظ و نصیحت کا دین ہے یا ہمیں اپنی حفاظت کے لیے کچھ اور بھی کرنا ہوگا؟"

استاد جی مسکرا دیئے۔

"بیٹا! تمہارا سوال بتا رہا ہے کہ تم جاگ چکے ہو! اسلام صرف الفاظ کا دین نہیں، یہ عمل اور طاقت کا بھی دین ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال تبلیغ کی، مگر جب طاقتور دشمنوں نے ظلم کی انتہا کر دی، تو میدانِ جہاد میں اُترے اور مدینہ میں ایک مضبوط اسلامی ریاست قائم کی، جہاں شریعت نافذ ہوئی اور اسلام کی قوت پروان چڑھی۔"

یوسف کے دل میں آگ بھڑ گئی۔

"مگر استاد جی! آج شام کے معصوم بچے مارے جا رہے ہیں، خواتین کی عزتیں پامال ہو رہی ہیں، مساجد کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں! دنیا خاموش ہے، اور ہم صرف تبلیغ میں لگے ہیں؟"

استاد جی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہی تو مسئلہ ہے بیٹا! ہم نے امت کو کمزور کر دیا ہے۔ ہمیں نہ صرف دین سکھانا ہے، بلکہ امت کو طاقتور بھی بنانا ہے، جیسے محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی، اور نور الدین زنگی اسامہ بن لادن، ملا محمد عمر مجاہد نے کیا تھا!"

یوسف کو یہ الفاظ دل میں اترتے ہوئے محسوس ہوئے۔

یہ گفتگو یوسف کے لیے ایک نئے سفر کا آغاز تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ صرف مبلغ نہیں بنے گا، بلکہ ایک ایسا نوجوان بنے گا جو اپنے دین کی حفاظت کے لیے بھی تیار ہو۔

وہ ترکی چلا گیا، جہاں اس نے شامی پناہ گزینوں کی حالتِ زار دیکھی۔ بچے یتیم ہو چکے تھے، نوجوان بے گھر تھے، مائیں اپنے پیاروں کی لاشوں پر بین کر رہی تھیں۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ہمت نہیں ہار رہے تھے، جو اپنی سرزمین کی آزادی کے لیے لڑ رہے تھے۔

"یہی وہ لوگ ہیں جو تاریخ بدلیں گے!" یوسف نے خود سے کہا

اور فیصلہ کر لیا کہ وہ صرف جذباتی تقریریں نہیں کرے گا، بلکہ عملی قدم اٹھائے گا۔ اس نے شامی نوجوانوں کے لیے ایک تعلیمی اور دفاعی تربیتی مرکز بنایا۔ یہاں وہ جدید ٹیکنالوجی، جنگی حکمت عملی اور خود دفاع کی تربیت حاصل کرنے لگے۔

کچھ نے ڈاکٹری سیکھی، تاکہ جنگ میں زخمی ہونے والوں کی مدد کر سکیں۔

کچھ نے سائبر سیکیورٹی سیکھی، تاکہ دشمن کی جاسوسی اور پروپیگنڈا جنگ کو ناکام بنا سکیں۔

کچھ نے دفاعی تربیت حاصل کی، تاکہ وہ اپنی سرزمین کی حفاظت کر سکیں۔

وقت گزرتا گیا۔ یوسف جیسے جوانوں کی محنت رنگ لائی۔

○○○○○○○○○○○

سالوں بعد، جب شام کے مجاہدین نے اپنی سرزمین پر قابض افواج کے خلاف فیصلہ کن جنگ

کا آغاز کیا، تو ان کے ساتھ یوسف جیسے جری نوجوان بھی تھے، جو نہ صرف ایمانی قوت رکھتے تھے بلکہ جدید ترین جنگی مہارتوں سے بھی لیس تھے۔

''یہ اسی امت کے نوجوان تھے جو کبھی بدر میں مٹھی بھر تھے، مگر ایمان اور حکمت کی طاقت سے غالب آ گئے''یوسف نے کہا

شام کے شہروں میں اب بھی گولیاں چل رہی تھیں، مگر اس بار فرق یہ تھا کہ مسلمان نہتے نہیں تھے، وہ کمزور نہیں تھے۔ وہ جان چکے تھے کہ اسلام کے تحفظ کے لیے صرف دعائیں کافی نہیں، عمل بھی ضروری ہے۔

لوگوں نے میدانوں کا رخ کیا اور تاریخ رقم کر دی۔

احمد الشرع جولانی کی قیادت میں بالآخر شام آزاد ہوا۔ چاروں طرف خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے۔

دمشق کی گلیوں میں آزادی کا پرچم بلند ہوا، شامی بچے آزاد فضاؤں میں سانس لینے لگے۔

یوسف ایک پہاڑی پر کھڑا پارک میں آزادی سے بچوں کو کھیلتے دیکھ رہا تھا۔ جو شام کی فتح کی خبر دے رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر یہ آنسو غم کے نہیں، خوشی کے تھے اور ماضی کا وہ خواب جھلملانے لگا جو بیداری کا سبب بنا اور۔۔۔

''یہی وہ دن ہے جس کے لیے میں نے خود کو بدلا تھا، جس کے لیے میں نے علم حاصل کیا، طاقت حاصل کی، اور اپنی امت کو بیدار کیا۔''

اس نے آسمان کی طرف دیکھا، جیسے اپنے رب کا شکر ادا کر رہا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چاہنے والے

شیخ الحدیث امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز احمد خان صفدر رحمہ اللہ کبھی کبھار سب اہل خانہ کو جمع کر لیتے، بچے بڑے، مرد و عورت پھر ہر ایک سے کچھ نہ کچھ سنانے کی فرمائش ہوتی۔ کوئی تلاوت سناتا، کوئی نعت، کوئی نظم، کوئی جہادی ترانہ۔ ایک مرتبہ ایسے ہی موقع پر آپؒ پر رقت طاری ہوگئی اور آسمان کی طرف چہرہ اُٹھا کر دونوں ہاتھ بلند کر دیئے اور فرمایا:

''یا اللہ! یا اللہ! لوگوں کے بچے بچیاں گانے گاتے ہیں، میرے بچے بچیاں تیرا اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لیتے ہیں۔''

پھر دونوں ہاتھ چہرہ پر پھیر لیے اور کافی دیر رقت طاری رہی۔ (مجلہ المصطفیٰ امام اہل سنت نمبر ص ۱۹۸)

مراسلہ: محمد زعیم، مبارکپور



محافظ 1

بنت رحمان

"السلام علیکم!" احمد نے ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا

"وعلیکم السلام!" زہرا بیگم اپنی بات ادھوری چھوڑ کر احمد کے سلام کا جواب دیتی اس کے پاس چلی آئیں اور اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔

"نہیں، زہرا بیگم نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، میں کتنی مرتبہ اس لڑکے کو سمجھا چکا ہوں مگر یہ باز نہیں آیا۔" ملک اشرف نے غصے سے اپنی بیوی کو جواب دیا اور ادھر ادھر ٹہلنے لگا

"ارے آپ بھی ناں! پتہ نہیں کیوں آپ کو اتنی جلدی غصہ آجاتا ہے، احمد اب بچہ تو نہیں ہے! اپنا اچھا برا سمجھتا ہے، ماشاءاللہ سلجھا ہوا بچہ ہے، جامعہ میں پڑھتا ہے، پھر بھی آپ..."

احمد ماں سے مل کر باپ کی طرف بڑھا، جنہوں نے اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا تھا۔

ملک اشرف خان گاؤں کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ بڑے ہی نیک اور خدا ترس انسان تھے، ان کے گھر کا دروازہ ضرورت مندوں کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا، وہ پڑھے لکھے تھے، دین کا علم تو وہ حاصل نہ کر سکے مگر دین داروں سے بہت محبت تھی۔

تبلیغی جماعت سے بہت وابستگی تھی۔ احمد ان کی اکلوتی اولاد تھا، وہ احمد کو دین کے علم سے آراستہ کرنے کے خواہاں تھے۔ اسی خواہش کے پیش نظر، وہ گاؤں سے شہر شفٹ ہو گئے تھے، اور اپنا سارا کاروبار اور زمینداری اپنے بڑے بھائی

اکمل خان کے حوالے کر دیا۔

احمد کا داخلہ شہر کے ایک اچھے جامعہ میں ہو گیا تھا، چند سال اس نے بڑے اچھے طریقے سے علم حاصل کیا۔مگر چند مہینوں سے اس نے عجیب روش اختیار کرلی۔

جامعہ کے لیے صبح کی اذان کے فوراً بعد نکلتا، اور رات گئے ہی واپس آتا۔احمد فطرتاً سلجھا ہوا لڑکا تھا، با ادب، سعادت مند، فرمانبردار اور عشق رسول ﷺ سے معمور، ادب اور فرمانبرداری تو گویا اسے خاندان سے ورثے میں ملی تھی۔لیکن نہ جانے کیوں، اشرف صاحب کو ہر وقت دھڑکا سا لگا رہتا کہ کہیں، احمد غلط دوستیوں میں نہ پڑ جائے اور اپنے کردار کو داغدار نہ کر بیٹھے کہیں یہ نہ ہو جائے، کہیں وہ نہ ہو جائے۔اسی لیے احمد کا رات گئے واپس آنا انہیں کھٹکنے لگا تھا۔ان کی راتوں کی نیند اور دن کا چین، احمد کی بے راہ رویوں کی وجہ سے اڑ گیا تھا۔

اس بار تو حد ہی ہوگئی، کہ احمد تہجد پڑھنے کے بعد گھر سے نکلا، اور دوسری رات بھی، ساڑھے 12 بجے تک وہ واپس نہ آیا، تو اشرف صاحب کا غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔ اسی غصے میں، وہ ڈرائنگ روم میں آ کر، ادھر ادھر چکر کاٹنے لگے۔جب ان کے پیچھے زہرا بیگم آئیں، اور احمد کے بارے میں کہا کہ جب وہ آئے تو اس سے پیار سے بات کرنا اور پیار سے پوچھنے کی کوشش کرنا، تو وہ گویا پھٹ ہی پڑے۔

تقریباً ساڑھے 12 بجے احمد گھر میں داخل ہوا، تو اسے ڈرائنگ روم سے اپنے بابا کی آواز آئی، تو وہ اسی طرف آ گیا تھا۔باپ کو اتنا ناراض دیکھ کر، اس نے سلام کیا اور اندر کی جانب بڑھ آیا۔اشرف صاحب نے اسے دیکھ کر منہ موڑا، تو وہ ان کی طرف بڑھا، اور کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ، اشرف صاحب نے مڑ کر اس کے چہرے پر زوردار تھپڑ جڑ دیا۔

زہرا بیگم اور احمد، اشرف صاحب کو اتنے مشتعل دیکھ کر کانپ گئے تھے۔زندگی میں یہ پہلا موقع تھا، جب اشرف صاحب نے احمد پر ہاتھ اٹھایا۔

''کہاں گئے تھے تم؟؟ بنا بتائے، کہاں رہ کر آ رہے ہو؟ بدتمیز انسان! میں تمہیں کیا بنانا چاہتا ہوں اور تم کس روش پر چل پڑے ہو؟ یہ کیا کم تھا، کہ تم رات کو دیر سے لوٹتے تھے کہ آج رات ہی بغیر بتائے باہر گزار دی؟ اتنے بڑے ہو گئے ہو تم؟ حالات کی تمہیں خبر نہیں ہے کیا؟'' اشرف صاحب کی زبان انگارے اگل رہی تھی۔

''بابا! وہ ایک ضروری کام...'' احمد نے کچھ کہنا چاہا۔

''کون سی قیامت ٹوٹ پڑی تھی، کہ تم بتا بھی نہ سکے؟'' اشرف صاحب بیٹے کی بات کاٹ کر غصے سے گویا ہوئے۔

''وہ جامعہ کا کام...''

''ہاں ہاں کہو کہ جامعہ کے لیے رات بھر گزار کر آئے ہو۔ اپنا سارا کیا دھرا، جامعہ کے سر ڈال دو۔'' وہ پھر احمد کی بات کاٹ گئے تھے۔

''آپ احمد کی بات تو سن لیں، کہ وہ کہنا کیا چاہتا ہے، کم از کم بندہ دوسرے کی سنتا تو ہے۔'' زہرا بیگم بیٹے کی طرف داری کرتے ہوئے رو پڑیں۔

اشرف صاحب نے پہلے بیوی اور پھر بیٹے کی طرف دیکھا، معاً ان کی نگاہ احمد کی گال پر پڑی، اپنی انگلیوں کے نشان دیکھ کر، ان کا دل کٹ سا گیا۔ وہ ڈھہ جانے والے انداز میں صوفے پر بیٹھے اور مستفسرانہ لہجے میں گویا ہوئے۔

''تم کیوں دیر سے گھر آنے لگے ہو؟ چند ماہ سے تمہارے اندر، یہ تبدیلیاں کیوں آنے لگی ہیں؟ تم کو خبر بھی ہے، کہ میں کتنا پریشان ہوں؟''

''بابا! میں کل آپ کو سب تفصیل سے بتا دوں گا انشاءاللہ۔'' احمد نظریں جھکا کر ادب سے گویا ہوا۔

''اب یہ کل بتانے میں کیا راز ہے؟'' انہوں نے تیز نظروں سے احمد کو گھورا۔

''بابا، میں کل بتا دوں گا!''

اشرف صاحب اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ زہرا بیگم نے بیٹے سے کھانے کے بارے میں پوچھا، تو اس نے کہا کہ وہ جامعہ سے کھا کر آیا ہے۔ زہرا بیگم نے اسے اپنے کمرے میں جانے کی ہدایت کی، اور خود کچن سے دودھ لے کر، اس کے کمرے میں دینے کے بعد، اشرف صاحب کے پیچھے کمرے میں آ گئیں۔

☆☆☆☆☆

''ڈنگ ڈانگ... ڈنگ ڈانگ''

احمد مطالعے میں مشغول تھا، اسی اثنا میں دروازے پر گھنٹی بجی، اس نے گھڑی کی جانب دیکھا، جو دس بجا رہی تھی، وہ بے ساختہ مسکرا دیا، اور کتاب بند کر کے میز پر رکھی، اور کمرے سے نکل کر گیٹ کی جانب بڑھا۔

گیٹ پر اشرف صاحب اس سے پہلے موجود تھے۔ وہاں احمد کے جامعہ کے مہتمم، قاری حسن صاحب جلوہ افروز تھے۔ احمد نے آگے بڑھ کر، اپنے استاد صاحب سے مصافحہ کیا، اور دونوں باپ بیٹے، ماں قاری صاحب، بیٹھک کی جانب بڑھے۔

احمد نے استاد صاحب اور بابا کو بیٹھک میں بٹھایا اور خود گھر آیا، تھوڑی دیر بعد وہ چائے اور دیگر لوازمات لے کر بیٹھک آیا اور قاری صاحب کے سامنے میز پر سجا دیے، اور خود باپ کے ساتھ صوفے پر ٹک گیا۔

قاری صاحب تھوڑی دیر تو ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول رہے، اور پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے گویا ہوئے۔

''اشرف صاحب! میں آپ سے احمد کے سلسلے میں کچھ بات کرنے آیا ہوں۔''

اشرف صاحب کا دل عجیب انداز میں

دھڑکا، انہوں نے احمد کی طرف دیکھا تو وہاں سکون و اطمینان کے سوا کچھ نہ پایا، اور پھر قاری صاحب کی طرف دیکھا تو وہ بھی مطمئن تھے، تو انہیں بھی تھوڑا سا اطمینان ہوا۔

”جی جی ضرور! فرمائیں قاری صاحب! میں سن رہا ہوں۔“ وہ پیشانی پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

”دیکھیے اشرف صاحب! آپ ہمارے جامعہ سے اچھی طرح واقف ہیں، وہاں کی پڑھائی، طلباء، اساتذہ دیگر عملہ وہ کیسے ہیں؟ کس طرح ہیں؟ کم از کم آپ کے سامنے محتاج بیان نہیں۔“ قاری صاحب نے بات کو آگے بڑھایا۔

”جی جی بالکل قاری صاحب!“ اشرف صاحب قاری حسن کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

”ملک صاحب! جب میں نے اپنے جامعہ کے اساتذہ وطلباء اور باقی عملے کا دین وسنت سے اس قدر لگاؤ دیکھا تو پھر میں نے سوچا، کہ ضروری تو نہیں کہ جامعہ سے فارغ ہونے والا ہر طالب علم صرف واعظ کرنا جانتا ہو یا پھر صرف پڑھانے کا ڈھنگ ہی سے آتا ہو۔ بلکہ میرے نزدیک جامعہ کا ہر طالب علم، استاد بن کر پڑھانے کے ساتھ، تلوار لے کر میدان میں نکلنا جانتا ہو۔ اس میں ممبر پر بیٹھ کر تقریر و بیان کرنے کی صلاحیت کے ساتھ، بستر ا اٹھا کر گلی گلی، محلے محلے میں اللہ کا پیغام پہنچانے کی ہمت بھی ہو، اللہ کی راہ میں پیش آنے والی تکالیف پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرنے کی عادت بھی ہو۔

اسی کے پیش نظر، ہم نے اپنے جامعہ کے تمام طلباء میں 10، 10 اور 15، 15 لڑکوں کے گروپ بنائے ہیں۔ اور ہر گروپ کا ایک امیر ہوتا ہے۔ ان کے ذمے ایک کام لگایا جاتا ہے، اور ہر مہینے میں پانچ دن، ان کے کام کے لیے مختص ہوتے ہیں۔ جن میں یہ اپنا کام کرتے ہیں، پھر ایک دن، ان کی کاروائیاں سنی جاتی ہیں اور پھر مزید جو ہدایات دینی پڑتی ہیں وہ دی جاتی ہیں۔

احمد کو بھی ایک گروپ کا امیر بنایا گیا ہے، جو رد قادیانیت کے بارے میں ہے، اب انہوں نے یہ کام کیسے کیا؟ نتائج نکلے؟ یہ تو آپ کو احمد ہی بتائے گا، لیکن اتنا میں آپ کو بتا دوں کہ احمد کا جلدی گھر سے نکلنا اور رات کو دیر سے واپس آنا جامعہ کے لیے ہی تھا، کیونکہ ان پانچ دنوں میں، جو پڑھائی کا حرج ہوتا ہے وہ ان کے اس اضافی ٹائم میں دور کیا جاتا ہے۔ اور امید ہے کہ آپ کو خوشی ہوئی ہوگی، اور اس معاملے میں بھی، آپ ہمارا ساتھ دیں گے۔“ قاری حسن نے چائے کا آخری سپ لیا، اور کپ کو میز پر رکھ دیا۔

”بالکل قاری صاحب، مجھے یہ سب جان کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ اور اگر احمد یہ سب مجھے پہلے ہی بتا دیتا، تو شاید وہ نوبت نہ آتی۔“ ملک اشرف صاحب شرمندگی سے گویا ہوئے۔

ان کی نگاہوں میں، گزشتہ رات والا واقعہ

گھوم گیا، البتہ انہیں اطمینان ضرور ہو گیا کہ احمد غلط دوستیوں میں نہیں پڑا، بلکہ اپنے اساتذہ کے نگرانی میں، اپنی عاقبت سنوار رہا ہے۔

”دیکھیں ملک صاحب! احمد قادیانیوں کے خلاف کام کرنے والے گروپ کا امیر ہے، اور یہ کام دین کے باقی کاموں کی نسبت، مشکل بھی ہے اور پر خطر بھی، اور احمد آپ کی اکلوتی اولاد ہیں، ہم نے احمد کو یہ سب، آپ کو بتانے سے اس لیے منع کیا، کہ کہیں پدری شفقت کی بنا پر آپ اسے، اس سعادت والے کام سے روک نہ دیں جو اس کے ساتھ، آپ کے لیے بھی، بڑی محرومی کی بات ہوگی۔“ قاری حسن نے احمد کے معاملے کو پوشیدہ رکھنے کی وجہ، تفصیل سے بتادی۔

”قاری صاحب! آپ جانتے ہیں ناں کہ میں کتنی محبت کرتا ہوں آپ لوگوں سے، اور مجھے کتنا پیار ہے علماء سے، قاری صاحب! میں احمد کو بھی، آپ ہی میں سے ایک، دیکھنا چاہتا ہوں، اسی لیے، آپ احمد کو، دین کے کسی بھی کام میں لگا دیں مجھے قطعاً، کوئی اعتراض نہیں ہے، اور اب، آپ نے جس عظیم کام کے لیے احمد کو منتخب کیا ہے، اس پر میں آپ کا بے حد مشکور ہوں، مجھے فخر ہے، کہ میرا احمد ختم نبوت کا محافظ ہے، اور اس کے لیے میں ایک نہیں ہزاروں احمد قربان کر سکتا ہوں۔“ ملک اشرف صاحب نے قاری حسن کو اپنے ساتھ کا بھرپور یقین دلایا۔

قاری صاحب کے ساتھ، احمد کا چہرہ بھی، خوشی سے دمکنے لگا تھا۔

”جزاکم اللہ خیرا کثیرا! ملک صاحب! آپ واقعی عظیم انسان ہیں۔ آپ نے دین داروں کا ہر طرح سے بہت ساتھ دیا ہے اور اب اپنا بیٹا دین کے لیے وقف کر کے، آپ نے یقیناً بہت بڑی سعادت حاصل کر لی ہے، اللہ آپ سے راضی ہو۔“ قاری حسن مشکور لہجے میں بولے۔

”ہاں بھئی احمد! آپ اپنے بابا جانی کو بتائیں نا، کہ اس پورے عرصے میں، آپ نے کیا کام کیے ہیں؟ کس طرح کیے ہیں، اور اس کے آپ کو کیا نتائج ملے ہیں؟“ قاری حسن نے احمد کو بھی گفتگو میں شامل کرنا چاہا۔

”جی قاری صاحب! احمد نے مودبانہ انداز سے کہا اور اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لیے، جس نے عاجز کو اس سعادت والے کام کے لیے قبول کیا۔ دعا ہے کہ وہ ذات پاک آخری سانس تک، اس عظیم کام سے منسلک رکھے۔ آمین

جزائے خیر دے اللہ رب العزت، میرے تمام معزز مکرم اساتذہ کرام کو، جنہوں نے اس عاجز کو، اس عظیم منصب کے لائق سمجھا، یقیناً، یہ ان کی وسعت نظری ہے، ورنہ میں اس قابل کہاں؟ اللہ رب العزت بہترین اجر نصیب کرے میرے

انتہائی مشفق والدین کو، جنہوں نے اس عاجز کی نیک راستے کی طرف رہنمائی کی، اس کا ساتھ دیا، اور اس عاجز کی سرپرستی کی، اور اپنی دعاؤں کے ساتھ، اس کٹھن سفر میں، عاجز کے ساتھ رہے۔

سب سے پہلے، تو ہم یہ عزم لے کر نکلے تھے، کہ کسی قادیانی ڈاکو کو، کسی مسلمان کا ایمان نہیں لوٹنے دیں گے۔ وہ مسلمان جو قادیانیت کے ڈسے ہوئے ہیں، انہیں اس زہر کا تریاق ضرور پلائیں گے۔ اور وہ بدقسمت، جو آقا مدنی علیہ الصلوۃ والسلام کی مبارک نسبت سے کٹ کر، مردار قادیانی کے بدبودار کوچہ سے جڑ چکے ہیں، انہیں ضرور واپس لائیں گے۔ ان شاء اللہ

الحمدللہ ثم الحمدللہ! ہمارے پہلے سفر کا انجام بہت ہی حوصلہ افزا تھا، جسے دیکھ کر ہماری ہمت بڑھی اور ہم نے خود سے یہ عہد کر لیا کہ آخری سانس تک قصر ختم نبوت کی چوکیداری کریں گے، اور جو سرپھرا اس میں نقب لگانے کی کوشش بھی کرے گا، تو اسے بیکار کر دیں گے۔ ان شاء اللہ

ہمارا گروپ 15 لڑکوں پر مشتمل تھا، اور ہم نے اپنے گروپ میں سے پانچ لڑکے منتخب کیے، جن میں لکھنے کی صلاحیت تھی، کہ وہ تحریر کے ذریعے، قادیانیت کی بیخ کنی کریں۔

ماشاء اللہ انہوں نے خوب کام کیا، دوسرے پانچ لڑکے، جنہیں اللہ رب العزت نے، خطابت کی صلاحیت سے نوازا تھا، انہوں نے قادیانیوں کے خلاف جدوجہد کی اور خوب کی۔

بقیہ پانچ لڑکے جن میں، میں بھی شامل تھا۔ ہم نے تبلیغ کا فریضہ سنبھال لیا، اور ہر مہینے میں جو پانچ دن، اس کام کے لیے مختص ہوتے تھے، ہم تبلیغ کے لیے جاتے تھے، ہمیں چھ ماہ ہو چکے ہیں اس کام کو کرتے ہوئے۔ یعنی ہر مہینے کے پانچ دن، اور کل مدت ایک ماہ ہوئی۔

پہلی مرتبہ، ہم ایک بستی کی طرف گئے۔ یہ بستی چند گھروں پر مشتمل تھی۔ بستی کے درمیان میں ایک پختہ مسجد تھی، اور مسجد کے قریب ایک بہت بڑا بوہڑ کا درخت تھا۔ وہاں ایک بڑے میاں محو استراحت تھے۔

''کیا خیال ہے، انہیں جگائیں؟'' میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ مانگا۔

''چھوڑیں یار احمد! اگر یہ بڑے میاں جلالی واقع ہوئے، تو اپنے آرام میں خلل، قطعاً برداشت نہیں کریں گے، اور خواہ مخواہ مشکل کھڑی ہو جائے گی۔'' مصعب نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا، تو ہم سب مسکرا دیے۔

''چلو پھر، فی الحال تو مسجد چلتے ہیں، بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔'' زبیر کے کہنے پر ہم مڑے ہی تھے، کہ بڑے میاں کھانستے ہوئے اٹھ بیٹھے۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!'' میں نے سلام کیا۔''

(جاری ہے)

حدیث کہانی

نیکی کا راستہ



محمد فیصل علی

قسط: 18

سردیوں کی ایک ٹھنڈی صبح تھی۔ ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی، تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ عیسیٰ اسکول جا رہا تھا۔ راستے میں اس کی نظر ایک لڑکے پر پڑی جو بہت پرانے اور پھٹے ہوئے کپڑوں میں کانپ رہا تھا۔ اُس کے پاؤں میں ایسے جوتے تھے جن میں سے پانی باآسانی اندر جا سکتا تھا۔

عیسیٰ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ بچہ بہت مجبور ہے۔ شاید اس کے پاس پہننے کو گرم کپڑے بھی نہیں۔ عیسیٰ خود کو روک نہ سکا اور خاموشی سے اس کا پیچھا کرنے لگا تاکہ اس کے بارے میں مکمل جان سکے۔

وہ حیران ہوا، جب وہ بچہ اسی اسکول میں داخل ہوا جہاں عیسیٰ پڑھتا تھا لیکن اُس نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ شاید وہ اس سکول کا نیا طالب علم تھا۔

بریک میں عیسیٰ نے اُس بچے سے بات کی۔ معلوم ہوا کہ وہ حال ہی میں اس علاقے میں شفٹ ہوئے ہیں۔ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ اپنی ماں اور دو چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ رہتا ہے۔ اُن کے پاس اتنے پیسے نہیں کہ نئے کپڑے یا جوتے خرید سکیں۔

عیسیٰ اسکول سے گھر آیا تو فوراً اپنی امی کو سب کچھ بتایا۔ پھر بولا:

”امی! ہمارے ٹیچر نے کہا ہے کہ ہمیں ضرورت مندوں کی مدد کرنی چاہیے، لیکن میں خود کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا کوئی راستہ ہے جس سے میں اس بچے کی مدد کر سکوں؟“

امی نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا:

”بیٹا! مدد کرنے کے کئی طریقے ہیں، مدد صرف پیسے دینے سے نہیں ہوتی، اگر تم کسی نیک دل انسان کو اس بچے کے بارے میں بتا دو تو وہ تمہارے ذریعے اس کی مدد کرے گا اور تم نیکی کا ذریعہ بنو گے اور حدیث پاک میں ہے کہ نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والے کو بھی نیکی کرنے جیسا

امام عاصم رحمہ اللہ کی خوش آوازی

امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ خوش آوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو یوں محسوس ہوتا گویا کہ آپؒ کے گلے میں گھنٹیاں سی بج رہی ہیں۔ ابوبکر عیاشؒ کہتے ہیں کہ میں امام عاصم کی وفات کے وقت آپؒ کے مکان پر حاضر ہوا تو میں نے سنا کہ آپؒ نہایت تحقیق و ترتیل اور شدومد سے یہ آیت بار بار پڑھ رہے تھے گویا کہ نماز کے اندر پڑھ رہے ہیں:

”ثم ردوا الی اللہ مولھم الحق الا لہ الحکم وھو اسرع الحاسبین......“

ترجمہ: پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لوٹائیں جائیں گے......خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا۔ (الانعام: ۶۲)

انتخاب: محمد عمر، محمد مدثر

ثواب ملتا ہے۔“

اگلے دن عیسیٰ اسکول سے سیدھا محلے کے ایک ڈاکٹر انکل کے پاس گیا۔ وہ بہت رحم دل اور ہمدرد انسان تھے۔ عیسیٰ نے ان سے اپنے دوست کی حالت بیان کی۔ ڈاکٹر انکل بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے فوراً گرم جوتے، کپڑے اور کھانے کا بندوبست کر دیا۔

چند دن بعد وہ بچہ نہ صرف خوش نظر آیا، بلکہ اس کے چہرے پر وہ مسکراہٹ تھی جو عیسیٰ کے دل کو سکون دے گئی۔

عیسیٰ نے کچھ دیا نہیں تھا، صرف نیکی کا راستہ دکھایا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو پیش نظر رکھا تھا کہ:

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ

”جس نے بھلائی کا راستہ دکھایا تو اسے اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا کہ اس کے کرنے والے کو ملتا ہے“

(جامع ترمذی، کتاب العلم، باب مَا جَاءَ الدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ، رقم: 2671)

○○○○○○○○○○○

صحت مند زندگی اور ورزش

عبیدالرحمن

ورزش کسی بھی ایسی حرکت کو کہا جاتا ہے جس کے تحت مسلز کام کرنے لگیں اور اس عمل کے دوران انسانی جسم میں موجود اضافی کیلوریز کو جلانے میں مدد مل سکے۔





طبی ماہرین کہتے ہیں کہ انسانی صحت کا دارومدار روزانہ ورزش کرنے پر ہے یعنی ایک صحت منداور خوش وخرم زندگی کے حصول کے لیے باقاعدگی سے ورزش ضروری ہے۔

جسم کو چُست رکھنے اور ذہن کی کارکردگی بڑھانے کے لیے روزمرہ زندگی میں تھوڑا سا وقت ورزش کو دے کر ذہنی اور جسمانی طور پر فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

جسمانی ورزش کرنے کے کئی طریقے ہیں جن میں تیراکی، دوڑنا، چہل قدمی اور ویٹ لفٹنگ وغیرہ شامل ہیں۔

اگر ورزش کا عمل باقاعدگی سے کیا جائے تو جسمانی اور ذہنی طور پر فعال رہنے کے علاوہ یہ عمل لمبی عمر کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ لیکن ہمارے یہاں عام افراد ورزش کی اہمیت سے ہی ناواقف ہیں چنانچہ وہ ورزش کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ نہیں بنا پاتے جبکہ کچھ افراد اہمیت کو جانتے ہوئے بھی ورزش کرنے میں سستی دکھاتے ہیں۔

زیرِنظر مضمون میں ہم قارئین سے ورزش کے فوائد کا ذکر کرنے جارہے ہیں، تاکہ اس کی اہمیت کو جانتے ہوئے کوئی بھی باقاعدگی سے ورزش کرنا شروع کردے۔

ذہنی دباؤ میں کمی

مطالعات اور تحقیقات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ورزش کرنے کا سب سے اہم فائدہ انسانی مزاج کو بہتر بناتے ہوئے ڈپریشن، انزائٹی اور اسٹریس کی سطح کو کم کرنا ہے کیونکہ ورزش کا عمل انسانی دماغ کے ان حصوں میں تبدیلی لانے کا باعث بنتا ہے جو ذہنی تناؤ اور بے چینی جیسی کیفیات کو کنٹرول کرتے ہیں۔

ورزش کے ذریعے انسانی دماغ میں سیروٹونن (Serotonin) اور نوریپائنفرائم (Norepinephrine) ہارمونز کی سطح بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔

واضح رہے یہ ہارمونز ڈپریشن کو ختم کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ مزید برآں، ورزش اینڈورفن (Endorphin) نامی ہارمون کی سطح بڑھانے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے، یہ ہارمون انسانی مزاج کو خوشگوار بنانے اور درد کی سطح کو بھی کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

وزن میں کمی

دنیا بھر میں زیادہ تر افراد اپنے وزن کے بارے میں خاصے جذباتی نظر آتے ہیں، مختلف مطالعات بھی واضح کرتے ہیں کہ موٹاپے کی اہم وجہ انسان کا حرکت نہ کرنا (Inactivity) ہے۔

وزن میں کمی کے خواہشمند افراد کے لیے ورزش اور توانائی صرف کرنے کے درمیان پایا جانے والا گہرا تعلق سمجھنا ضروری ہے۔

انسانی جسم سے توانائی کے اخراج کے تین طریقے ہیں: (۱) کھانا ہضم کرنا، (۲) ورزش کرنا اور (۳) جسم کے افعال کو برقرار رکھنا۔

دوسری جانب ڈائٹنگ کرنے کے دوران کیلوریز کی کم مقدار آپ کے میٹابولک نظام کو سست کر دیتی ہے جس کے باعث وزن میں کمی کا عمل بھی خاصا تاخیر کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس، باقاعدگی سے کی گئی ورزش کے دوران آپ کا میٹابولک نظام بہتر کام کرتا ہے اور یہ اضافی وزن کم کرنے کا عمل بھی تیز کر دیتا ہے۔

ہڈیوں اور اعصاب کی مضبوطی

ایک مصروف طرزِ زندگی آپ کے جوڑوں و پٹھوں میں درد، آسٹیوپروسس اور جسمانی کمزوری کا باعث بن سکتی ہے۔ لیکن باقاعدگی سے کی جانے والی ورزش ان تمام بیماریوں کے خلاف مزاحمت کا کام سرانجام دیتی ہے کیونکہ ورزش اعصاب کی مضبوطی اور ہڈیوں کی تعمیر و نشوونما میں بہترین کردار ادا کرتی ہے۔

جسمانی سرگرمی مثلاً ویٹ لفٹنگ، پروٹین کی مناسب مقدار کے ساتھ مسلز کو مضبوط کرنے کا عمل تیز کر دیتی ہے۔ ورزش کرنے سے ہارمونز کے اخراج کا عمل تیز ہو جاتا ہے جس کے ذریعے امینو ایسڈ کو جذب کرنے کی صلاحیت فروغ پاتی ہے۔ ایک طرف یہ عمل ہڈیوں کی نشوونما میں

اہم کردار ادا کرتا ہے تو دوسری جانب ہڈیوں کی ٹوٹ پھوٹ کا عمل بھی سست کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ باقاعدگی سے کی گئی ورزش جوانی میں ہڈیوں کی کثافت میں اضافہ کر دیتی ہے، یہ عمل مستقبل میں انسان کو آسٹیو پروسس سے محفوظ رکھتا ہے۔

توانائی کی سطح میں اضافہ

مختلف میڈیکل کنڈیشنز کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ صحت مند افراد کے لیے ورزش توانائی کی سطح میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ ایک تحقیق کے دوران مسلسل تھکن کا شکار 36 افراد سے چھ ہفتوں تک باقاعدگی سے ورزش کروائی گئی، مقررہ وقت کے بعد ورزش ان افراد کے لیے تھکاوٹ کا احساس کم کرنے کا باعث بنی۔

مزید برآں، ورزش کرونک فٹیگ سنڈروم (Chronic fatigue syndrome) اور دیگر سنگین بیماریوں میں مبتلا مریضوں کے لیے بھی توانائی میں اضافہ کا باعث بن سکتی ہے۔

روزانہ باقاعدگی سے ورزش آپ کے جسم میں ہڈیوں، پٹھوں اور جوڑوں کو تقویت فراہم کرتی ہے اور آپ کسی بھی کام کو مستعدی سے انجام دینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

دائمی بیماریوں کا کم خطرہ

دائمی بیماریوں کے حملہ آور ہونے کی بنیادی وجہ روزانہ کی بنیاد پر جسمانی سرگرمیوں کا فقدان ہے۔ باقاعدگی سے کی گئی ورزش ،انسولین کی حساسیت بڑھاتے ہوئے کارڈیو ویسکیولر فٹنس اور جسمانی تشکیل کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

یہ بلڈ پریشر اور انسانی جسم میں موجود چربی کی سطح کو کم کرنے میں بھی نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ساتھ ہی پیٹ کی چربی کو گھلانے کا باعث بھی بنتی ہے۔ واضح رہے کہ پیٹ پر موجود چربی سے ذیابطیس ٹائپ ٹو، قلبی امراض کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

انتخاب: محمد بلال

ایک مثال ایک سبق

ایک بزرگ نے دیوار پر بڑا سا سفید پیپر لگایا اور مارکر سے اس پر ایک کالا نقطہ ڈالا۔ پھر لوگوں سے پوچھا: تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: کالا نقطہ۔

اس پر بزرگ نے فرمایا: تمہیں اتنا بڑا سفید پیپر نظر نہیں آ رہا؟ اور ایک چھوٹا سا نقطہ نظر آ رہا ہے۔

پھر فرمایا: یہی حال لوگوں کا ہے انہیں کسی شخص کی ساری زندگی کی اچھائیاں نظر نہیں آتی اور ایک کی ہوئی برائی نظر آ جاتی ہے۔

ابوشفاء　　راز سربستہ



دنیا کے بڑے دریا

ساتھیو! کسی دریا کی لمبائی کا اندازہ لگانا ایک مشکل کام ہے، جس میں بہت سی چیزوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے، جیسے دریا کہاں سے شروع ہوتا ہے، کتنا چوڑا ہے، اس کے آغاز سے سمندر تک گرنے میں کتنا فاصلہ ہے، دریا کی گہرائی وغیرہ، اسی وجہ سے دریا کی لمبائی کا حساب ہمیشہ اندازوں میں لگایا جاتا ہے۔آج ہم آپ کو کچھ دریاؤں کے بارے میں بتاتے ہیں۔

دریائے سندھ

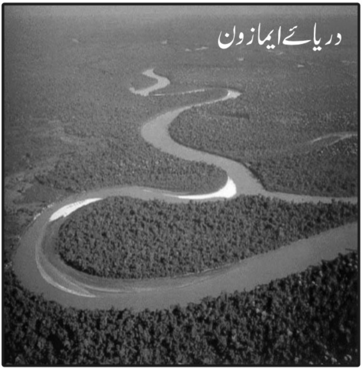
ہمارے ملک پاکستان میں بہنے والا سب سے لمبا دریا، دریائے سندھ دنیا کا 19 واں لمبا دریا ہے جو بھارت، کشمیر، چین اور پھر سارے پاکستان سے ہوتا ہوا کراچی سمندر میں جا ملتا ہے۔

دریائے ایمازون

روایتی طور پر دریائے نیل کو دنیا کا طویل ترین دریا مانا جاتا ہے لیکن حالیہ برسوں میں نئی تحقیق کے مطابق دریائے ایمازون کو دینا کا طویل ترین دریا قرار دیا گیا ہے۔

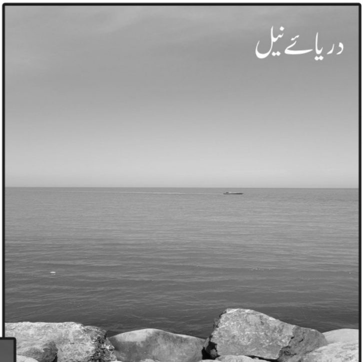

دریائے سندھ

دریائے ایمازون کی کل لمبائی چھ ہزار نو سو بانوے کلومیٹر ہے، جس میں سے پانی کا اخراج دو لاکھ نو ہزار ایم 3 / سیکنڈ ہے اور یہ دریا سات ملکوں (برازیل، پیرو، بولیویا، کولمبیا، ایکوڈور، وینزویلا، گوانا) میں سے گزرتا ہوا بحر اوقیانوس میں شامل ہو جاتا ہے۔


دریائے ایمازون

دریائے نیل

دو دریاؤں (دریائے ابیض، دریائے نیل


دریائے نیل

ازرق) کے سنگم سے بنے والا دریا ہے یہ دونوں دریا سوڈان کے دارالحکومت خرطوم میں ملتے ہیں، جہاں سے دریائے نیل کا سفر شروع ہوتا ہے 11 ملکوں (ایتھوپیا، اریٹریا، سوڈان، یوگینڈا، تنزانیا، کنیا، روانڈا، برونڈی، مصر، کانگو، ساوتھ سوڈان) سے گزرتا ہوا بحرہ روم میں جا گرتا ہے۔

دریائے نیل کی لمبائی 6853 کلومیٹر اور پانی کا اخراج 2800 ایم 3 فی سیکنڈ ہے۔

دریائے ینگتزی

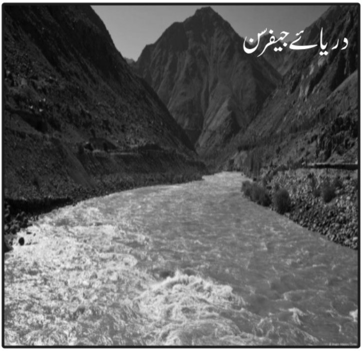
یہ دریا ایشیا کا پہلا اور دنیا کا تیسرا لمبا ترین دریا ہے جو چین میں بہتا ہے۔ اس کی کل لمبائی تریسٹھ سو کلومیٹر ہے اور پانی کا اخراج 31900 ایم 3 فی سیکنڈ ہے جو اسے پانی کے اخراج کے


دریائے ینگتزی

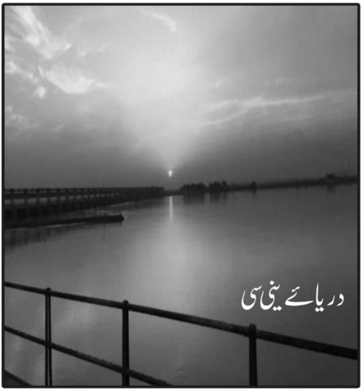
دریائے ینی سی

ارکٹیک اوقیانوس میں گرنے والا سب سے بڑا دریا جس کی کل لمبائی 5539 کلومیٹر ہے جو دو ملکوں روس 97 فیصد اور منگولیا 2.9 سے گزرتا ہوا کارا کے سمندر میں جا گرتا ہے

اس دریا سے پانی کا اخراج 19600 ایم ۳ فی سیکنڈ ہے اور دریا کی گہرائی تقریبا 24 میٹر ہے



حساب سے دنیا کا چھٹا بڑا دریا کہا جاتا ہے۔



دریائے جیفرسن

6275 کلومیٹر لمبا دریائے جیفرسن امریکہ کا سب سے بڑا دریا ہے، جس کا 5.98 فیصد حصہ امریکہ اور باقی کینڈا میں بہتا ہے۔

دریائے جیفرسن سے پانی کا اخراج سولہ ہزار دوسو ایم 3 فی سیکنڈ ہے جو گلف آف میکسیکو میں گرتا ہے اور سمندر بن جاتا ہے۔

پیلا دریا

ایشیا کا تیسرا اور دنیا کا 5 واں لمبا دریا۔ جس کی کل لمبائی 5464 کلومیٹر ہے چین میں بہتا ہے۔

اس دریا سے پانی کا اخراج 2110 ایم 3 فی سیکنڈ ہے جو بیان ہر ماونٹین سے شروع ہوتا ہے اور بوھائی کے سمندر میں جا گرتا ہے۔

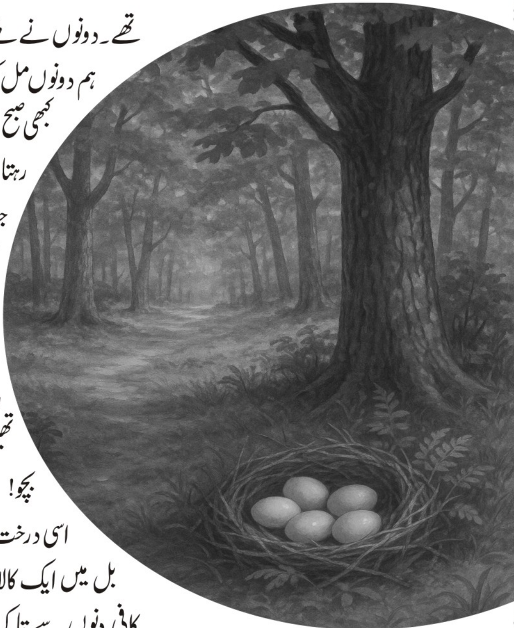


ooooooooooo

بی بطخ کا بطخو

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب

تالاب کنارے ایک بہت بڑا اور گھنا درخت تھا۔ اس درخت کے سائے میں ایک بطخ اپنے بطخے کے ساتھ رہتی تھی۔ بطخ کے پورے پانچ انڈے ہو گئے تھے۔ بطخ بی اور بطخا خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔ دونوں نے طے کیا کہ انڈوں کی دیکھ بھال ہم دونوں مل کر کریں گے چنانچہ روزانہ کبھی صبح کے وقت بطخا انڈوں پر بیٹھا رہتا تو بطخ دانہ پانی کھا پی آتی۔ جب شام ہوتی تو بطخ انڈوں پر بیٹھنے کی ڈیوٹی انجام دیتی اور بطخا پیٹ پوجا کر آتا۔ دونوں کے دن چین اور راتیں سکون سے گزر رہی تھیں۔



بچو!

اسی درخت کی جڑ میں ایک بل تھا اس بل میں ایک کالا کوبرا آن بسا تھا۔ اب وہ کافی دنوں سے تاک میں بیٹھا تھا کہ کب بطخ انڈے چھوڑ کر ادھر ادھر ہو اور وہ بطخ کے سارے انڈے ہڑپ کر جائے۔

ایک روز بطخا دانہ چگنے گیا تو پتا نہیں ایسا کیا کھا لیا کہ اسے بدہضمی ہو گئی طبیعت میں بھاری پن محسوس ہونے لگا تو اس نے اپنے حصے کا دانہ لانے کی ذمے داری بطخ کو سونپ دی اور خود انڈوں پر بیٹھ گیا۔ بطخ دانہ دنکا چگنے چلی گئی۔ کالا کوبرا تو کب سے موقع کی تلاش میں تھا۔

جب اس نے دیکھا کہ انڈوں پر بیٹھا بطخا اونگھنے کے ساتھ تکلیف سے کراہ بھی رہا ہے اور بطخ کو دانہ چگ کر آنے میں شام ہو جائے گی۔ اسے کھل کر شکار کھیلنے کا موقع مل گیا وہ دھڑلے سے گھونسلے میں گھس آیا۔ بے چارہ بطخا اپنے انڈوں کو بچانے کے لیے کوبرے سے ڈٹ کر لڑا۔ مگر کوبرا بھی آج تہیہ کرکے آیا تھا کہ خالی پیٹ نہیں جانا۔ اس نے بطخے کو جگہ جگہ خوب جی بھر کر ڈسا۔ بطخا اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر انڈوں کو بچانے کی کوشش کرتے کرتے بے حال ہو کر ایک طرف لڑھک گیا تو کوبرا میدان صاف دیکھ کر مزے سے انڈے نگلنے لگا۔ ایک دو تین چار پانچ۔۔۔۔۔ کوبرے کا پیٹ بھر چکا تو وہ تیزی سے رینگتا ہوا درخت سے اتر کر آرام سے اپنے بل میں چھپ گیا۔

شام ڈھلے جب بطخ دانہ لے کر واپس پہنچی تو اس کا بطخا تو کب کا مر چکا تھا۔ چاروں طرف ٹوٹے ہوئے انڈوں کے چھلکے پھیلے ہوئے تھے۔ وہ صدمے سے نڈھال ہو کر چلائی: ”پخ پخ پخاخ ہائے میرا بطخا۔۔ ہائے میرے انڈے۔“

وہ رات بطخ نے اپنا سر پروں میں چھپا کر روتے ہوئے گزاری۔

صبح سورج کی نرم کرنیں پھوٹیں تو بطخ ایک سسکی بھر کر اپنے بطخے کو دیکھنے لگی۔ کہ اچانک اس کچھ دیکھائی دیا۔

ارے یہ کیا۔۔۔؟ انڈوں کے بیچ ایک انڈا صحیح سالم بچا ہوا تھا۔ جسے دیکھ کر بطخ کی جان میں جان آئی۔ اب یہ انڈا اس کے زندہ رہنے کی واحد امید تھا۔ انڈے کی دیکھ بھال کرنے دانہ دنکا چگنے کے لیے بطخ اکیلی رہ گئی تھی۔ اس غم میں وہ بے چاری سخت بیمار رہنے لگی۔ ایک دن اس کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو وہ ڈاکٹر ڈنگر کے پاس گئی۔ ڈاکٹر ڈنگر نے گہرے جائزے کے بعد خطرناک مرض کی تشخیص کرتے ہوئے کہا: ”بی بطخ! تمہاری بیماری ایسی ہے کہ یہ پھیلتی ہے بچنے کی کوئی امید نہیں تم جلد مر جاؤ گی۔“

بچو! بطخ بی کو اپنے خالق حقیقی پر پورا بھروسہ تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ زندگی موت کا کوئی بھروسہ نہیں نا جانے کب کہاں آجائے؟ بطخ کو اپنی مہلک بیماری کا سن کر صدمہ ہوا تھا کیونکہ اس کے پاس ایک ہی انڈا بچا تھا۔ اسے اس خوف نے آگھیرا کہ اگر میں مر گئی تو میرے انڈے کا کیا ہوگا؟ جس کے خول سے جلد ہی بچہ نکلنے والا تھا ہائے میرے بعد اس بچے کو کون سنبھالے گا؟ یہ سوچ کر بطخ کا دل جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں لے لیا۔ وہ پریشان حالت میں اپنے رشتے داروں، پڑوسیوں اور سہیلیوں کے پاس گئی جو اسی تالاب سے ذرا فاصلے پر ایک جنگل میں رہتے تھے۔

”پیاری مینا! میرے بچے کو سہارا دے دو۔ جب یہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو بھلے اس

کے حال پر چھوڑ دینا۔"

مگر مینا بے مروتی سے بولی:

"بی بطخ! تم ہی عقل سے کام لو۔ میں درخت پر رہتی ہوں۔ ایک کمزور پرندہ ہوں۔ تمہارے انڈے بچے کو کہاں سنبھالتی پھروں گی۔"

ارے یہ کیا آج تو کوئل بی بھی آج آنکھیں پھیرے بیٹھی تھی۔

"بطخ بی! معاف کرنا بیماری اور موت دونوں نے تمہارا گھر دیکھ لیا ہے۔ میں بھی بال بچوں والی ہوں رسک نہیں لے سکتی۔"

بطخ بی نے اپنی ساری پڑوسنوں کی منت سماجت کی کہ اللہ کے واسطے تم لوگ میرے مرنے کے بعد میرے بچے کو اپنا سایہ دے دینا جو روکھی سوکھی چاہو کھلا دینا۔ مگر کسی نے بھی اس کی بات نہ مانی۔

بطخ کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کیوں نہ میں اپنی رشتے دار مرغابی کے پاس جاؤں، وہ ضرور میری مدد کرے گی۔

بطخ، مرغابی کے پاس گئی جو اپنے انڈوں پر بیٹھی اُنہیں سینک رہی تھی۔ بطخ اسے سارا حال دل سناتے ہوئے بولی:

"بی مرغابی! آپ میرے بچوں کی خالہ ہیں۔ برائے مہربانی آپ میرے بچے کو اپنی آغوشِ محبت دے دیں۔"

مرغابی بولی: "بطخ بہن! میں تمہارے انڈے کو رکھ تو لوں مگر میرا مرغاب نہیں مانے گا۔ لہٰذا مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ میں چاہ کر بھی تمہاری مدد نہیں کر سکتی۔"

بطخ انڈے کو ساتھ لیے لیے پھرتی ہوئی بالآخر سب جگہ سے مایوس ہو کر اپنے گھر واپس لوٹ آئی۔ طبیعت زیادہ بگڑ رہی تھی۔ اس نے سوچنا شروع کر دیا کہ اب کیا ہوگا؟ اس نے اپنے خالق سے مدد مانگی اور اچانک ایک زبردست ترکیب اس کے ذہن میں آئی اور اس نے موقع ملتے ہی یہ کام انجام دے دیا۔

"اب میں سکون سے مر سکوں گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ خود ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئی۔ اور اسی رات اس کی طبیعت ایسی بری بگڑی کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔

***

بی مرغابی اپنے انڈوں پر بیٹھی انہیں سینک رہی تھی۔ جب بچے انڈوں سے باہر نکلے تو ان میں چوزہ ایک بطخ کا بھی تھا۔ مرغابی تو دیکھتے ہی سارا معاملہ جان گئی لیکن اس نے مرغاب کو بتا کر مصیبت مول لینا مناسب نہیں سمجھا۔

بات کب تک چھپتی؟

انڈوں سے بچے باہر نکل آئے تھے۔ مرغاب نے بطخو کو دیکھتے ہی خوب شور شرابہ کرتے ہوئے

کہا: "میرے بچوں کے ساتھ بطخ کا بچہ نہیں رہے گا۔"

بی مرغابی نے مرغاب کو بہتیرے سمجھایا لیکن مرغاب کسی طور راضی نہ ہوا بلکہ اپنے بچوں کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ بطخ کے بچے سے بالکل بات نہیں کریں۔ لیکن دونوں چوزوں کو بطخ کا بچہ بہت اچھا لگتا تھا وہ اس کے ساتھ مل کر رہنا اور کھیلنا چاہتے تھے۔ مگر مرغاب کو بطخ کے بچے سے شدید نفرت تھی وہ تو اس کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اسی لیے جب مرغاب جھیل پر مچھلی پکڑنے جاتا تو چوز اور موز، بطخو کے ساتھ ہری ہری گھاس پر خوب کھیلتے۔ وہ جو خود کھاتے اپنے ساتھ بطخو کو بھی کھلاتے تھے۔

ایک دن مرغاب کے ذہن میں شیطانی خیال آیا اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے جھیل کی سیر کا پروگرام بنایا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ہم سب واپس آجائیں گے اور بطخو کو وہیں ڈبو آئیں گے، اسے اڑنا تو آتا نہیں اور نہ ابھی ٹھیک طرح سے تیر سکتا ہے اس طرح سے ہمیشہ کے لیے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ اس نے مرغابی کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تو مرغابی نہیں مانی۔ مرغاب نے سختی سے کہا: "تم نے اپنی مرضی بہت چلا لی۔ اس بطخ کے بچے کو میں ایک دن بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے جو کہتا ہوں وہ کرو۔"

صبح ہوتے ہی مرغابی نے بچوں کو خوش خبری سنائی کہ آج ہم سب جھیل کی سیر کو جارہے ہیں۔

"اماں! کیا بطخو بھی ہمارے ساتھ جائے گا؟"

مرغاب نے تو پلان ہی بطخو سے پیچھا چھڑانے کے لیے بنایا تھا۔ سو اسے کیسے چھوڑ جاتا۔ وہ خاموش رہا تو مرغابی بولی: "ہاں ہاں کیوں نہیں۔ جب سب جارہے ہیں، تو یہ بے چارا یہاں اکیلا رہ کر کیا کرے گا۔"

چوز، موز اپنے دوست بطخو کے ساتھ مل کر سیر کو نکلے۔ بطخو بہت سمجھدار اور ذہین چوزہ تھا۔ اس نے انڈے سے باہر نکلتے ہی مرغاب کو چیختے چلاتے ہوئے ہی دیکھا تھا اس لیے وہ تھوڑا حیران تھا کہ خالو نے مجھے ساتھ لے جانے کے وقت ہنگامہ برپا کیوں نہیں کیا؟

خیر تھا تو چوزہ ہی نا چوز اور موز کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتا سیر کو چلا۔ وہاں پہنچتے ہی بی مرغابی جھیل میں غوطے لگا کر چھوٹی مچھلیاں پکڑ کر کنارے پر جمع کرنے لگی تاکہ جب ڈھیر سارا کھانا جمع ہوجائے تو سب مل جل کر کھائیں گے۔

منصوبے کے مطابق مرغاب منظر سے غائب ہوگیا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ تینوں بچے بے فکری سے کھیل رہے تھے۔ کھیلتے کھیلتے اچانک چوز پانی میں گر گیا۔ بطخو، چوز کو بچانے کے لیے اس کے پیچھے پانی میں کود پڑا وہ

تیرتے ہوئے ابھی چوز کے پاس پہنچا ہی تھا کہ، اچانک ہوا میں اڑتے مرغاب نے پانی میں غوطہ لگایا اور چوز کو پنجوں میں جکڑ کر کنارے پر لے آیا۔ مرغابی کی نظر پڑی تو وہ تیزی سے موز کی طرف لپکی۔ مگر دیر ہو چکی تھی۔۔۔۔

بخ بخ ساری بات سمجھ گیا تھا۔ اب یہ جھیل ہی اس کی ماں تھی۔ اس نے پُرسکون ہو کر آنکھیں موندلیں اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر تیرنے لگا۔ اس کے لیے گڑھا کھودنے والے خود ہی گڑھے میں گر گئے تھے۔ کنارے پر موز آخری سانسیں لے رہا تھا۔ مرغاب کے پاس پچھتانے کے سوا کچھ نہیں بچا تھا۔

موت کی موت

انتخاب: عامر خان

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اور جہنمی جہنم میں تو موت کو (دنبہ کی شکل میں) لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کر دیا جائے گا اور پھر ایک آواز دینے والا آواز لگائے گا:

اے جنت والو! اب موت نہیں، اے دوزخ والو! اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔

یہ منظر دیکھ کر جنتیوں کی خوشی دو چند ہو جائے گی اور دوزخ والوں کے غموں میں اضافہ ہو جائے گا۔“

☆......☆......☆

جنت کی عمارت

انتخاب: نور الٰہی

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ جنت کی عمارت کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اس کی ایک ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک ایک چاندی کی۔ کنکریاں موتیوں اور یاقوت کی ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی بنی ہوئی زرد اور خوشبودار ہوگی۔ جو کوئی بھی اس میں داخل ہوگا چین و آرام میں رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ وہاں پر اس کو کبھی بھی موت نہ آئے گی۔ نہ اس کے کپڑے کبھی پرانے ہوں گے اور نہ اس کی جوانی کبھی فنا ہوگی۔ بلکہ وہاں پر ہمیشہ ہمیشہ جوان رہے گا۔“

شاہی سواری

ہادیہ رحمان



’’کہاں جارہے ہو فیصل؟‘‘

وہ اپنے خیالوں میں ،کمرے سے نکل کر گیٹ کی طرف بڑھا تھا جب دادا جی نے پیچھے سے پکارا۔

’’وو۔۔وہ،دادا جی!۔۔۔میں۔۔۔‘‘اس سے کوئی جواب نہ بن پایا۔

’’برخوردار!اگر کوئی ضروری کام نہیں،تو یہ کارڈ لو،اور نورالدین کو دے آؤ!‘‘ دادا جی نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا، یہ کوئی دعوتی کارڈ لگ رہا تھا۔

’’دادا جی شام کو چلا جاتا،اب تو میرے پاس سواری بھی نہیں ہے۔اس نے عذر تراشا،کیونکہ اسوقت وہ گاؤں جانے کے موڈ میں بالکل بھی نہیں تھا۔ ارے،ہماری شاہی سواری لے جاؤ!‘‘ دادا جی نے فراخدلی سے پیشکش کی۔

’’شاہی سواری‘‘ وہ زیر لب بڑبڑایا،ذہن میں ایک عدد پرانی سی کھٹارا سائکل کی شبیہ ابھری،کیونکہ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر شاہی سواری کا لفظ سائکل کیلیے ہی بولا جاتا ہے اس نے سر کو زور سے نفی میں جنبش دی۔

’’نہیں،نہیں،دادا جی! میں کسی سائیکل وائیکل پر گاؤں نہیں جاؤں گا،ہاں!‘‘

’’سائیکل؟؟؟وہ میری موٹر سائیکل ہے ناہنجار!‘‘ دادا جی خاصے بدمزہ ہوئے۔

’’موٹر سائیکل؟؟تو کیا آپ کے زمانے میں موٹر سائیکل تھیں دادا جی؟‘‘اس نے حیرانگی سے پوچھا،کیونکہ اب تک تو وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ شاہی سواری کوئی سائیکل ہے جو دادا جی نے اپنے سکول کے زمانے میں لی ہوگی اور اب وہ چلنے سے انکاری ہوگی۔

’’کیوں کیا میں چھٹی صدی سے چلا آ رہا ہوں؟‘‘ دادا جی کو اس کی حیرانگی ایک آنکھ نہ

بھائی تھی۔

"ارے چھوڑیے دادا جی! لائیے! اپنی شاہی سواری کی چابی، تاکہ میں جلدی سے آپ کا کام کر دوں۔" ذہن میں کلبلاتے سارے سوالوں کو جھٹک کر وہ جلدی سے گویا ہوا، مبادہ کہ دادا جی موٹر سائیکل دینے سے انکار نہ کر دیں۔

"یہ لو سٹور کی چابی، وہ سٹور میں ہے۔" دادا جی نے ایک زنگ آلود چابی اس کی طرف بڑھائی جسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ کافی عرصے سے اسے کام میں نہیں لایا گیا۔

سٹور میں موجود وہ شاہی سواری کس حال میں ہو گی یہ تو چابی دیکھ کر ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا، مگر برا ہو اس موٹر سائیکل سواری کے شوق کا جس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ سٹور سے وہ شاہی سواری نکال ہی لایا جس کی ظاہری حالت دیکھ کر وہ صدمے سے گنگ رہ گیا تھا۔

"لگتا ہے دادا جی کو یہ سواری قائد اعظم کی میراث میں سے ملی تھی" اس نے دکھ سے سوچا۔

"کیا کر رہے ہو؟" حماد نے اسے موٹر سائیکل کے معائنے میں مصروف دیکھا تو اس کی طرف آ گیا۔

"تم یہاں؟" خاصے بگڑے تیوروں سے پوچھا گیا۔

کیونکہ وہ حماد کے بے طرح بولنے سے سخت گھبراتا تھا۔

"کیوں یہ کوئی تھانہ ہے کہ مجھ جیسے شریف بندے کا یہاں آنا منع ہے۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

اس نے تیوری چڑھا لی مگر جواب نہ دیا۔

"اب اتنا سڑا ہوا منہ نہ بنا کہ بے اختیار میرا سر پیٹ لینے کو جی چاہے۔" وہ فیصل کے ناراض چہرے کو دیکھ کر بولا لیکن اس نے محض گھورنے پر اکتفا کیا اور پھر سے موٹر سائیکل کے معائنے میں لگ گیا۔

"کیا یہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ موٹر سائیکل کو دیکھ کر بولا۔

"تھوڑی دیر تجھ سے خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"تو تو بندے کے پتر کی طرح جواب دے دے کے کہاں جا رہا ہے۔"

"گاؤں جا رہا ہوں نور الدین دادا کے ہاں" فیصل نے جب دیکھا کہ یہ تو ٹلنے والا نہیں تو مارے باندھے جواب دے دیا۔

"گاؤں ں ں ں۔" اس کی آنکھیں پھیلیں۔ گاؤں جانے کے خیال سے ہی حماد کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔

"مجھے لے چلو گے ساتھ؟" اس نے منت کی۔

"نہیں شکریہ، مجھے سر درد پالنے کا کوئی شوق نہیں" اس نے بغیر کسی لگی لپٹی کے انکار کر دیا۔

''سر درد؟؟ مجھ جیسے ہینڈسم کزن کو تو کوئی عقلمند سر درد کہنے سے پہلے ہی مر جائے گا''، فیصل کی بات سے اسے صدمہ ہی تو لگا تھا۔

''میں عقلمند ضرور ہوں میرے دوست مگر بدقسمتی سے تم ہینڈسم نہیں''، فیصل نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

'جاؤں گا تو میں صحیح تمہارے ساتھ، لیکن یہ بتاؤ کس چیز پہ جائیں گے؟'' وہ فیصل کے انکار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ڈھٹائی سے بولا۔

''اسی شاہی سواری پر''، فیصل نے جواباً اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔کم از کم اسے تو یہی لگا تھا۔

''تم اپنے حالات زندگی سناؤ مجھے ذرا'' اسے فیصل کے دماغی توازن پر شک ہوا تھا۔

''وہ کس خوشی میں؟''، فیصل نے بھویں سکوڑ کر قدرے کرخت لہجے میں پوچھا۔

''آخر مجھے پتہ تو چلے کہ تم کن حالات سے تنگ آ کر خودکشی کرنے پر مجبور ہو رہے ہو'' اس نے سادگی سے جواب دیا تو فیصل اچھل پڑا، خودکشی؟؟

''ہاں بالکل خودکشی! کیونکہ اس شاہی سواری کی صحت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم نے اگر سٹارٹ کرنے کے لیے اسے کک لگائی تو گرد مٹی کے ساتھ اس کے سارے سپیئر پارٹس بھی جھڑ جائیں گے تو بھلا کوئی زندگی سے پیار کرنے والا شخص اس پر سواری کی غلطی کر سکتا ہے؟'' اس نے شاہی سواری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم بڑے ہی بکواس بندے ہو یار! تمہاری یہ تقریر مجھے ذرا بھی متاثر نہ کر سکی۔''، فیصل اس کی ساری تقریر کو قدرے ادب سے سن کر بڑی بے ادبی سے بولا۔

''نہ کر یار! میں تو تمہارے ولیمے کے چاولوں کے انتظار میں ڈائٹنگ پر ہوں، مگر قرائن سے لگ رہا ہے کہ مجھے تیرے قل کے چاولوں پر گزارا کرنا پڑے گا'' وہ مصنوعی جذباتی لہجے میں بولتا فیصل کو تپا گیا تھا۔

''جب بھی بولنا کفن پھاڑ کر بولنا، بڈحرام اچھا چھوڑ تو اپنی شاہی سواری کو سٹارٹ کر، کے چلیں''، حماد کے کہنے پر فیصل نے کک لگائی تو موٹر سائیکل سے کئی قسم کی عجیب و غریب آوازیں نکلیں۔

''ہائے اللہ! اس بے زبان کی اتنی زبانیں'' حماد کا ہاتھ بے ساختہ سینے پر جا ٹھہرا۔

''ایک بار پھر سوچ لے فیصل!''

''اوئے چپ کر جا! تو تو ہے ہی صدا کا بزدل، ابھی اگر میں نے تالی بجائی تو تو پٹاخہ سمجھ کر بے ہوش ہو جائے گا''

''واہ مسٹر بہادر!''

''برخوردار! ذرا خیال سے جانا، اس کے بریکس فیل ہیں''

بقیہ صفحہ 95 پر



اُمت کا خیرخواہ کون؟

حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ذمّہ اپنے مسلمان بھائیوں کے بہت سے حقوق لازم فرمائے ہیں......

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں...... مسلمان خوشی اور غم میں ایک دوسرے کے شریک ہیں...... مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو ایذاء پہنچائے......

مشہور مفسّر حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:

جہنم والوں میں سے بعض پر ایک ’’خارش‘‘ مسلّط کی جائے گی، وہ اس کو اتنا کھجائیں گے کہ گوشت پھٹ کر ہڈی ظاہر ہو جائے گی...... تب اُسے پکارا جائے گا کہ اے فلاں شخص! کیا تجھے یہ خارش تکلیف دے رہی ہے؟ وہ کہے گا جی ہاں! تو اُسے کہا جائے گا کہ یہ اُس کے بدلے میں ہے جو تم مسلمانوں کو ایذا پہنچایا کرتے تھے...... حدیث شریف میں تو یہاں تک آیا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی طرف آنکھ سے ایسا اشارہ کرے جو اُسے تکلیف اور ایذاء پہنچانے والا ہو......

مسلمان اگر آپس میں محبت، صلح اور دوستی کے ساتھ رہیں تو اُن کا یہ عمل نفلی روزے، نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے...... جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو دنیا میں چھپائے گا اللہ تعالیٰ اُس کے عیبوں کو دنیا اور آخرت میں لوگوں سے چھپا دے

گا...... ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کی غیبت کرے اور اُس کے عیبوں کو تلاش کرتا پھرے...... ارشاد فرمایا کہ جو کسی مسلمان کے عیب اس لئے تلاش کرے گا تا کہ اُسے لوگوں میں رسوا کرے تو اللہ تعالیٰ خود اُسے گھر بیٹھے رسوا فرمادے گا...... مسلمان کو حکم دیا گیا کہ وہ جب بھی کسی دوسرے مسلمان سے ملے تو اُسے سلام کرے...... یعنی سلامتی کی دعاء کرے...... سلامتی کی دعاء دینے کا پہلا تقاضہ یہی ہے کہ وہ اُس مسلمان کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے کوئی تکلیف نہ پہنچائے......

حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے آٹھ سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا:

اے انسؓ! وضو اچھی طرح (یعنی پورا پورا) کیا کرو اس سے تمہاری عمر زیادہ ہوگی...... (یعنی عمر میں برکت ہوگی) اور میری اُمت میں سے جس سے بھی ملو تو اسے سلام کیا کرو اس سے تمہاری نیکیاں بڑھیں گی...... اور جب اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو اس سے تمہارے گھر کی برکت زیادہ ہوگی (مسند ابو یعلیٰ)

روایات میں آتا ہے کہ جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے اور اسے سلام نہیں کرتا تو اس پر فرشتے حیران ہوتے ہیں...... اور جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے اور وہ اس سلام کا جواب دیتا ہے تو فرشتے اُس کے لئے ستر مرتبہ رحمت کی دعاء کرتے ہیں......

مسلمان جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے سے مصافحہ کریں...... اس مصافحہ پر اُنہیں طرح طرح کی نعمتیں اور رحمتیں ملتی ہیں...... اور روایات میں آتا ہے کہ اُن کے گناہ جھڑ جاتے ہیں...... اور مصافحہ کی ابتداء کرنے والے کو نوے رحمتیں اور دوسرے کو دس رحمتیں نقد مل جاتی ہیں...... مسلمان بیمار ہو جائے تو دوسرے مسلمان اُس کی عیادت کریں......

روایات میں آتا ہے کہ مریض کی عیادت کرنے والا گویا کہ جنت کے باغات میں بیٹھا ہوتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اُس کے لئے رات تک رحمت کی دعاء کرتے ہیں...... مسلمان اگر سب مسلمانوں کے لئے صبح شام تین تین بار اصلاح، رحمت اور کشادگی کی دعاء کا معمول بنائے تو اُسے ''ابدال'' کا مقام دے دیا جاتا ہے...... کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اُس کے یتیم بچوں کی کفالت دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے......

مسند احمد کی روایت میں آیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ماں باپ کے یتیم بچے کو اپنے ذمے لے لے...... اور اُسے کسی کا محتاج نہ ہونے دے بلکہ اُس کی مکمل کفایت کرے تو ضرور بضرور جنت اُس کے لئے واجب ہو جاتی ہے...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو...... اور مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو جس سے بُرا سلوک کیا جاتا ہو......‘‘ (الادب المفرد للبخاری)

مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لئے وہی چیز پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے...... اور جو مسلمان کسی مسلمان کو خوشی پہنچاتا ہے تو قیامت کے دن اس کے بدلے...... اللہ تعالیٰ اُسے خوشی عطاء فرمائے گا...... جو کوئی کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کے لئے رات یا دن کی ایک گھڑی چلتا ہے...... وہ حاجت پوری ہوتی ہے یا نہیں...... یہ عمل اُس کے لئے دو ماہ کے اعتکاف سے افضل ہے......

اور فرمایا کہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ترین اعمال میں سے ہے...... یہ خوشی پہنچانا اس طور ہو کہ اُس کی پریشانی دور کر دے یا اُس کا قرضہ اُتار دے یا اُسے بھوک کی حالت میں کھانا کھلا دے...... حقوق کا یہ سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے کہ مسلمان کا حق ہے کہ اُس کی نماز جنازہ ادا کی جائے...... اُسے غسل و کفن دیا جائے...... اس کے جنازے کے ساتھ چلا جائے...... اُس کی تدفین میں شرکت کی جائے...... امام اعمشؒ اپنے زمانے کا حال بیان کرتے ہیں کہ ہم جنازوں میں جایا کرتے تھے تو پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون کس سے تعزیت کرے...... کیونکہ سب لوگ ہی غمزدہ ہوتے تھے...... جی ہاں اسلامی محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے...... پھر یہ بھی حق ہے کہ مسلمان کی قبر پر دوسرے مسلمان جائیں...... اُس کے لئے دعاء کریں، ایصال ثواب کریں اور خود اپنی موت کو یاد کریں......

حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ جو مسلمانوں کے قبرستان سے گزرا اور اُس نے نہ اپنے بارے میں کوئی فکر کی (کہ میں مرنے والا ہوں) اور نہ قبرستان والوں کے لئے دعاء کی تو اُس نے اپنے ساتھ بھی خیانت کی...... اور اہل قبور کے ساتھ بھی خیانت کی......

صحابی رسول حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ...... قبروں کے پاس جا بیٹھتے تھے......لوگوں نے اُن سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا...... میں ایسے لوگوں کے پاس بیٹھتا ہوں جو مجھے آخرت کی یاد دلاتے ہیں اور جب میں اُن سے اٹھ کر چلا جاتا ہوں تو پیچھے میری غیبت نہیں کرتے......

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قبر کو زیادہ یاد کرتا ہے وہ اپنی قبر کو جنت کا ایک باغیچہ پائے گا اور جو قبر کی یاد سے غافل رہتا ہے وہ اُسے آگ کا ایک گڑھا پائے گا...... رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کی قبروں پر سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيۡكُمۡ يَا اَهۡلَ الۡقُبُوۡرِ، يَغۡفِرُاللهُ لَنَا وَلَكُمۡ، اَنۡتُمۡ سَلَفُنَا وَنَحۡنُ بِالۡاَثَرِ (ترمذی)

ترجمہ: السلام علیکم اے قبروں والوں! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے آگے چلے گئے اور ہم تمہارے پیچھے چلے آنے والے ہیں......

جی ہاں! مسلمانوں کے ذمہ دوسرے مسلمانوں کے بے شمار حقوق ہیں...... پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک...... کبھی آپ نے سوچا کہ ان حقوق کا اصل مقصد کیا ہے؟......

جو کوئی مسلمان کو دھوکہ دے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے...... وہ شخص ایمان والا نہیں جس کے پڑوسی اُس کے شر سے محفوظ نہیں...... مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں...... یہ بھی نیکی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو...... وغیرہ وغیرہ......

کبھی سوچا آپ نے کہ ان حقوق کے پیچھے اصل بات کیا ہے؟...... ہم نے تو آج چند حقوق بغیر کسی ترتیب کے لکھ دیئے...... قرآن پاک نے مسلمانوں کے باہمی حقوق کو مفصّل بیان فرمایا ہے...... اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سینکڑوں مبارک احادیث ان حقوق کے بارے میں موجود ہیں...... علماءِ اُمت نے ان حقوق پر مستقل کتابیں لکھی ہیں...... اصل بات یہ ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں کلمہ طیبہ:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

موجود ہوتا ہے...... یہ کلمہ اس مسلمان کو بہت قیمتی اور اونچا انسان بنا دیتا ہے......

اب اس کلمے کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ...... اس مسلمان کو نہ تو کوئی مسلمان ایذاء پہنچائے، نہ تکلیف دے...... نہ زخمی کرے، نہ قتل کرے...... نہ اس کی غیبت کرے...... بلکہ حتی الامکان اس کا اعزاز، اکرام اور اس کی خدمت کرے...... چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جس مسلمان کے دل میں ایمان مضبوط ہوتا ہے وہ دوسرے مسلمان کے حقوق کا بہت خیال رکھتا ہے...... اور جس کے دل میں ایمان کمزور ہوتا ہے وہ مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرتا ہے...... ایک دوکاندار کے پاس کوئی مسلمان خریدار آتا ہے...... اب دوکاندار کا کام یہ ہے کہ وہ اس مسلمان کے دل میں موجود کلمے کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے نہ تو اسے دھوکا دے...... اور نہ اسے لُوٹے......

لیکن اگر دوکاندار کے دل کا ایمان کمزور ہے تو وہ...... دس روپے زائد لینے کے لئے دھوکا بھی دے گا، جھوٹ بھی بولے گا، ملاوٹ والی چیز بھی دے گا...... اور اسے ذرہ برابر یہ خیال نہیں آئے گا کہ...... وہ اپنی اس حرکت سے کلمہ طیبہ کی ایک طرح سے اہانت کر رہا ہے...... اسی لئے فرمایا......

ویل للمطففین...... ہلاکت ہے تطفیف کرنے

والوں کے لئے...... یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے حقوق پورے ادا نہیں کرتے...... اور بعض علماء یہ عجیب ترجمہ کرتے ہیں کہ......

''مطفّف'' وہ ہے جو چھوٹے سے فائدے کے لئے اپنا بڑا نقصان کر رہا ہو...... مثلاً ایک تاجر نے کسی مسلمان کو دھوکا دے کر دس روپے لوٹ لئے...... اب مرنے کے بعد قیامت میں اُسے اس دس روپے کے بدلے جو عذاب ہو گا اُس عذاب سے بچنے کے لئے...... پوری دنیا کی دولت اگر اسے مل جائے اور وہ خرچ کر دے تو دس روپے کے دھوکے والا عذاب نہیں ٹل سکے گا......

کتنا بڑا خسارہ ہے کہ...... ادنیٰ سے فائدے کے لئے اتنا بڑا نقصان اٹھالیا......

مسلمان جب ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کرتے ہیں تو...... ان میں قوت، اجتماعیت اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے...... اور بالآخر انہیں خلافت کا وہ عظیم نظام نصیب ہو جاتا ہے...... جس میں مسلمانوں کے لئے خیر ہی خیر ہے...... آج مسلمانوں کی باہمی قتل و غارت دیکھ کر یہی احساس ہوتا ہے کہ...... کلمے کی عظمت اُن کے دلوں سے نکلتی جا رہی ہے......

مسلمان ایک دوسرے کو مار رہے ہیں...... کاٹ رہے ہیں...... بیچ رہے ہیں، کھا رہے ہیں...... اور کافروں کے ہاتھوں اُن کو نیلام کر رہے ہیں...... کتنے دُکھ کی بات ہے کہ مشرک مضبوط ہو گئے آج انڈیا خود کو منی سپر پاور کہتا ہے...... یہودی جو مٹھی بھر ہیں وہ طاقتور ہو گئے کہ ہر جگہ مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں...... اور عیسائی تو آج خود کو بڑی طاقت کہہ اور سمجھ رہے ہیں......

مسلمانوں کے پاس ایک بھی ایسا ملک نہیں جہاں کلمہ طیبہ اور اسلام کی عظمت کا لحاظ کیا جاتا ہو...... مال کی حرص...... اور علاقہ پرستی نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے...... مسلمانوں کے پاس نہ تو قوت کی کمی ہے اور نہ اسباب کی...... الحمدللہ اس قوم کے چند مجاہد لاکھوں کے لشکر کاٹ پھینکتے ہیں...... لیکن جب مسلمان خود ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں تو پھر...... تباہی کو کون روک سکتا ہے...... قرآن پاک آواز دے رہا ہے...... ایمان والے بھائی بھائی ہیں...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پکار رہے ہیں...... اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ......

آج جو بھی حتی الامکان...... اس آواز اور پکار پر لبیک کہے گا...... وہی اُمت مسلمہ کا حقیقی خیر خواہ ہو گا......

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارك وسلم تسلیما کثیرا

☆......☆......☆

غزوۂ تبوک

تربیتی پہلوؤں پر ایک نظر!



ابوبکر صدیق

رجب سن ۹ھ کا واقعہ ہے، جس میں مسلمانوں کے خلاف بنسبت مشرکین عرب و یہود کے زیادہ سخت و جنگجو رومن امپائر کی فوج برسرِ پیکار ہوئی، جنہیں نصف دنیا پر حکمرانیت کا طُرّہ ٔ امتیاز حاصل تھا، جس کی مسلح افواج نے حال ہی میں سلطنتِ ایران کو شکست سے دوچار کیا تھا، جن کی وسعتِ مالی، قوتِ بدنی و عسکری نظام وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کی حالت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک ''پرِ کاہ'' کا ''کوہ'' سے مقابلہ ہے۔

علاوہ ازیں عرب عیسائی قبائل لخم، جزام، عاملہ، قبیلہ غسان وغیرہ بھی مقامِ موتہ پر ہونے والی شکست فاش کا بدلہ وانتقام لینے کے واسطے بے چین وبے تاب اُن کے شانہ بشانہ شریک تھے۔اس کے بالمقابل مسلمانوں کی زبوں حالی کا کچھ یوں حال تھا، جس کی تفصیل سے متعلق مشہور مؤرخ ابن اسحاقؒ رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنا جانثار صحابہؓ کو رومیوں کے خلاف جنگ کی تیاری کا حکم دیا، یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ کسمپرسی کی حالت میں، سخت گرمی، قحط سالی کا شکار تھے، جب کہ مدینہ کے نخلستان میں کھجوریں پک رہی تھیں (جس کا شدّت سے انتظار رہتا تھا)، جس پر اُگنے والی کھجوروں اور ان کے زیرِ سایہ بیٹھنے کو ہر چیز سے محبوب جانا جاتا تھا، نیز ان پیش آمدہ حالت میں خود کو دھکیلنا طبیعت پر شاق وگراں معلوم ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جس سمت سے جہاد پر روانگی کا قصد فرماتے اس کو عام لوگوں پر مخفی رکھتے، اور اس کے خلاف جہت کو (توریۃً) بیان فرماتے تھے، مگر غزوۂ تبوک وہ واحد معرکہ تھا کہ جس میں آپ ﷺ نے مسافت کی دوری، حالات کی سختی اور فریق مخالف کی کثرتِ تعداد کے سبب لوگوں کو صراحتاً سمتِ سفر سے آگاہ کیا، تاکہ لوگ حسبِ حالت زادِ راہ تیار کرلیں۔''

اس معرکہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جاں نثاری اُخوتِ اسلامی کے اُن گراں قدر جذبات کا اظہار کیا کہ اوراقِ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ نیز اس میں قیامت تک کے انسانوں کے واسطے مختلف حیثیتوں سے تربیتی پہلوں نمایاں ہوتے ہیں، جس کو مشعل راہ بناتے ہوئے انسان دینی و دنیاوی ہر اعتبار سے ترقی کی منازل بآسانی طے کر سکتا ہے، جن میں سے چند فوائد ہدیہ قارئین ہیں:

1: جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے کا جذبہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب نفیرِ عام کا حکم دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک صدا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد کا ضروریاتِ زندگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جہاد کے لیے نکلنا ان کے پاک طینت ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ نیز اس کسمپُرسی کی کیفیت اور مسلمانوں کی شکستہ حالی کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام تعاون کا اعلان کیا اور اس میں صدقہ خیرات کی ترغیبی مہم چلائی، جس پر شمعِ رسالت کے پروانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جس میں حضرت ذوالنورین عثمان غنیؓ ۹۰۰ اونٹ، ۱۰۰ گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کر کے "مجہز جیش العسرۃ" کے لقب سے سرفراز ہوئے، جبکہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ چالیس ہزار درہم راہِ خدا میں صرف کر کے مستحق اجر ہوئے۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۱۸)

2: نیکی کے کاموں میں منافست و مسابقت

حضرت عمرؓ کا بیان ملتا ہے کہ میں نے سوچا کہ آج کے دن تو میں صدیق اکبرؓ سے بازی مار سکتا ہوں، چونکہ میری مالی حالت ان سے قدرے خوشحال ہے، اس بنا پر وہ اثاث البیت کا نصف جو ڈھائی ہزار روپیہ پر مشتمل تھا، پیش خدمت کیا، مگر قربان جائیں حضرت صدیق اکبرؓ کی جانثاری پر، جنہوں نے گھر میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے سوا کچھ بھی باقی نہ چھوڑا، گھر میں جو کچھ تھا، سب خدا کے نام پر نثار کر دیا۔ جب یہ منظر حضرت عمرؓ نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا تو فرمایا کہ: مجھے معلوم ہو گیا، میں صدیق اکبرؓ پر کبھی بازی نہیں جیت سکتا۔ (حیاۃ الصحابہؓ: ۲/ ۱۵)

3: تعداد کی قلت و کثرت پر اعتماد

رومن امپائر افواج کی تعداد تقریباً ۴۰۰۰۰ (چالیس ہزار) تھی، جبکہ اس کے بالمقابل مسلمانوں کا تیس ہزار کا لشکر "كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ" کا والہانہ نعرہ بلند کیے عشقِ نبوی سے سرشار وادیوں و بستیوں کو قطع کیے جا رہے تھے۔

4: عذر تراشی جرم میں اضافہ کا باعث

مسلمانوں کے ہمراہ منافقین کی ایک بڑی تعداد اس سفر میں شریک ہوئی، مگر ان کی ایک جماعت نے مدینہ ہی میں تراشیدہ اعذار کے انبار لگا کر رخصت کا سوال کیا، جیسا کہ منافق جد بن قیس

نے یہ عذر گڑھا کہ میں نہایت حسین وجمیل ہوں، بنو اصفر کی خواتین کو دیکھ کر نفس پر قابو نہیں پا سکتا لہٰذا اس ابتلاء و فتنہ سے مجھے محفوظ رکھیں، جس کی شناعت وفتنہ میں پڑ جانے کو قرآن مجید نے یوں آشکارا کیا: ”وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا“ (تفسیر قرطبی: ۸/ ۱۵۸، سورۃ التوبہ: ۴۹)

اس کے علاوہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے ہمنوا و ہم مشرب افراد مدینہ کے قریب ذُباب پہاڑی تک شریک ہوئے اور پھر موقع کو غنیمت جان کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

5: اجتماعی امورِ دینیہ میں رخنہ ورکاوٹ ڈالنے پر سخت تنبیہ

منافقین کی ایک بڑی تعداد خود تو شرکت سے باز رہی، جبکہ سویلم یہودی کے گھر جمع ہو کر سادہ لوح مسلمانوں کو جہاد جیسے عظیم امر سے روکنے کی مہم کا آغاز کیا، جیسا کہ قرآن مجید نے ان کا جملہ حکایۃً نقل کر کے ان کو سخت ڈانٹ پلائی: ”وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا“ (البقرۃ: ۸۱)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس یہودی کے گھر کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا۔

6: اسباب مہیا نہ ہونے پر غم کا اظہار

ایک طرف تو منافقین نے مختلف اعذار تراشے، اپنے تئیں خود کو جنگی صعوبتوں سے باز رکھا، تو دوسری جانب مالی اعتبار سے پسپاں حال مسلمانوں کی ایک جماعت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشکبار حالت میں حاضرِ خدمت ہوئی، جس کا نقشہ قرآن مجید نے یوں کھینچا ہے:

”وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ“ (البقرۃ: ۹۲)

ترجمہ: ”اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ تم انہیں کوئی سواری مہیا کر دو، اور تم نے کہا کہ: میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر سکوں، تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔“

7: احسان ومالی تعاون

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے بھی سواری و زادِ راہ کا انتظام نہ ہو سکا تو ان حضرات کا نہایت افسردگی کے عالم میں حضرت ابن یامین بن عمیر رضی اللہ عنہ پر گزر ہوا، ان سے رونے کی وجہ معلوم ہونے پر انہوں نے سواری کے واسطے اونٹ اور زادِ راہ کے لیے کھجوریں فراہم کر کے امت کو ہمدردی کے جذبات کا ثبوت دیا۔

8: سفرِ تبلیغ و جہاد میں روانگی سے قبل اہل وعیال کے واسطے نیابت کا اہتمام

یہ پہلا معرکہ تھا جس میں کسی زوجہ محترمہ کو ہمراہ لیے بغیر نبی کریم ﷺ عازمِ سفر ہوئے، اس بنا پر اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا، اور سفر پر روانہ ہوئے، مگر منافقین نے ان کو پست ہمت وابتلاء نفاق کے طعنے دیتے ہوئے موردِ الزام ٹھہرایا، جس پر کبیدہ خاطر ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا رختِ سفر باندھا اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقامِ جُرف پر حضور ﷺ کے قافلے سے جا ملے، مگر اطلاع ملنے پر آپ نے انہیں دوبارہ لوٹنے کا حکم دیا، نیز ارشاد فرمایا:

''اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ'' (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ تبوک، رقم الحدیث: ۴۴۱۶)

''کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے اس نسبت کا شرف حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور جانے پر (نسبتِ نیابت کا شرف) حاصل ہوا؟''۔

یہ سن کر حضرت علیؓ مطمئن ہو کر واپس مدینہ لوٹ آئے۔

نوٹ: اس سے معلوم چلا کہ داماد کو بھی اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا جاسکتا ہے، نیز ''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی کو بھی اس خدمت پر مامور کیا جاسکتا ہے، اور حضرت علیؓ ان دونوں حیثیتوں کی جامع شخصیت تھے۔

9: عذابِ الٰہی کا مظہر بستیوں پر سے گزرتے ہوئے خشیت کے آثار کا ظہور

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ جب مقام حجر کو پہنچا، جہاں قومِ ثمود کے کھنڈرات تھے، جہاں ہزاروں برس قبل حضرت صالح علیہ السلام نے توحید کی صدا بلند کی تھی، مگر ان کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے ظلم وتعدی کی داستان رقم کرنے پر حق تعالیٰ شانہ نے ان پر زلزلے و کڑک کا عذاب مسلط کر کے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا، البتہ پہاڑوں میں تراشیدہ قصر ومحلات زبانِ حال سے ان کی داستانِ عبرت سنا رہے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی:

''ان ظالم لوگوں کی آبادی ومسکن سے گزرتے ہوئے حق تعالیٰ سے ڈرو، مبادا یہ کہ وہی عذاب تم پر نازل نہ ہو جائے، کوئی شخص بھی یہاں قیام کی کوشش نہ کرے، یہاں کا پانی استعمال میں نہ لائے، اور جو پانی استعمال کر کے آٹا وغیرہ گوندھا گیا ہو، اسے جانور کے سامنے ڈال دیا جائے۔'' (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ تبوک، رقم الحدیث: ۴۴۱۸)

چنانچہ آپ ﷺ نے اس عبرت ناک مقام کو چہرۂ انور پر رومال ڈالے تیزی سے عبور کیا۔ حساس اور لطیف مزاج انسان کو عذاب زدہ مقامات پر ہزارہا سال بعد بھی ایک وحشت وغضب اُترتا محسوس ہوتا ہے، حضور ﷺ سے بڑھ کر ایسے اثرات کا احساس بھلا کس کو ہوسکتا تھا۔ (تاریخ امت مسلمہ، جلد اول، ص: ۳۶۴)

10: غیرتِ شرعی ایمان کا حصہ ہے

حضرت ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ سفرِ تبوک سے گرمی کی شدت کے پیش نظر لوٹ آئے تھے، جب اپنے باغ کے سایہ فگن خیمے میں داخل ہوئے اور اہلیہ کی جانب سے ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا تو غیرتِ ایمانی واخوتِ اسلامی نے جوش مارا اور فرمانے لگے کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سخت گرمی کی تپش سے دوچار ہوں اور ابو خیثمہ یہاں ٹھنڈی چھاؤں وشیریں پانی سے لطف اندوز ہو، ضمیر نے ایسا جھنجھوڑا کی اسی وقت قسم اُٹھائی کہ اس باغ میں قدم بھی نہ رکھوں گا، حتیٰ کہ دوبارہ ان کے ساتھ شریک نہ ہو جاؤں، بہرحال اسی وقت عازمِ سفر ہوئے اور حاضرِ خدمت ہوئے، تاخیر کی وجہ دریافت کیے جانے پر سارا ماجرا بیان کیا، آپ ﷺ نے انہیں خوب خیر کی دعاؤں سے نوازا۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/۵۲۱)

11: چھوٹوں کی رائے کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھنا

روایت میں آتا ہے کہ سفر کے دوران بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنے سواری کے جانور ذبح کر کے کھانے پر مجبور تھے، جب یہ سارا منظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو دربارِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس عمل سے اصحاب کو روک دیجئے، اس طرح تو سفر سے واپسی میں شدید دقت پیش آئے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر اس کے علاوہ دوسری راہ کیا ہے؟

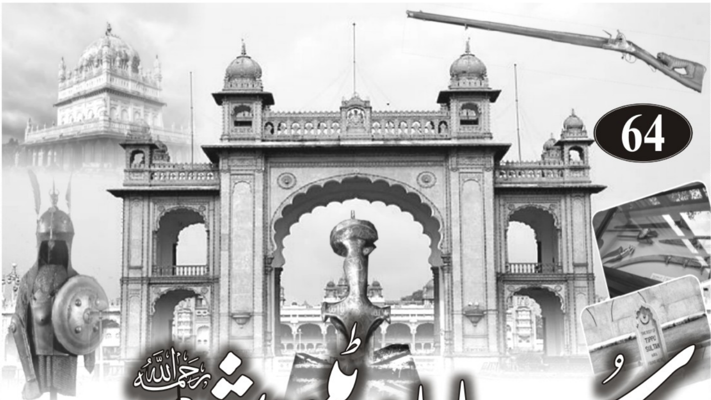
اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیرکی ودانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ سب کے پاس موجود زادِ راہ جمع فرمالیں، اور آپ اس پر برکت کی دعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ کی طرف سے راہ ہموار ہو جائے۔ حضور ﷺ کو یہ مشورہ پسند آیا، آپ نے اعلان کیا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے پاس جو تھوڑا بہت زادِ راہ محفوظ تھا، سب ایک چمڑے کے دسترخوان پر جمع کیا۔

پھر آپ ﷺ نے اس پر برکت کی دعا کی، اور فرمایا: ''خُذُوْا فِیْ أَوْعِیَتِکُمْ'' سب اپنے توشہ دان کو مکمل بھر لو، سب نے توشہ دان کو بھرا، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اب تم لوگ کھاؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا، حتیٰ کہ بہت سارا کھانا اب بھی باقی رہا۔

12: کٹھن ومشکل مراحل طے کرتے وقت اکابر کے احکامات کی مخالفت سے احتراز

دورانِ سفر پانی کی قلت وسخت گرمی کے

(جاری ہے)



64

سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل، سیاست کی بساط کا عیار ترین شاطر تھا۔ اس نے غداروں کے ذریعے پہلے ہی ساری معلومات حاصل کر لی تھیں کہ سلطان یک مشت تین کروڑ روپے کی رقم ادا نہیں کر سکے گا۔ ٹیپو نے ایک کروڑ روپیہ بھی اس طرح ادا کیا کہ پورا خزانہ خالی ہو گیا تھا۔

”کل معاہدے کی ساری رقم لے جانا یا پھر اپنے بیٹوں کو ضمانت کے طور پر تمہارے حوالے کر دوں گا۔“ ٹیپو نے بڑی استقامت کے ساتھ میجر ڈفٹن سے کہا۔

ٹیپو کا اقرار سن کر غداران سلطنت بھی خوش تھے اور وہ امراء بھی، جنہیں عیش و نشاط کی زندگی پسند تھی۔ جانثاروں کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے کہ سلطان نے اپنے بیٹوں کی قربانی دے کر سلطنت خداداد کے وجود کو بچا لیا تھا۔

سلطان دربار برخاست کر کے حرم سرا میں پہنچا تو ایک حشر سا برپا تھا۔ رقیہ بانو بہت حوصلہ مند خاتون تھیں مگر اولاد کی جدائی کے تصور نے انہیں گستاخ بنا دیا۔

”کیا آپ کا اقتدار میری اولاد سے زیادہ قیمتی ہے؟“ رقیہ بانو جوشِ جذبات میں چیختی گئیں۔

ٹیپو نے بڑے صبر و ضبط کا مظاہرہ ہوئے کہا۔

”تو پھر انہیں تاج و تخت دے دیتے ہیں“

رقیہ بانو کے لہجے میں بڑی نشتریت تھی۔

"تاج وتخت ایک حکمراں کی آبرو ہوتے ہیں۔" ٹیپو ایک جذباتی اور مضطرب ماں کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"دنیا میں بے شمار تاج اُتارے گئے ہیں لیکن مردوں کے تاج اس وقت تک نہیں اُترتے، جب تک ان کے کاندھوں سے سر نہ اتر جائیں۔ آپ مجھے اتنی بڑی بد دعا تو نہ دیجئے کہ میرا سر سلامت رہے اور تاج اُتار لیا جائے۔"

شوہر کی بات سن کر رقیہ بانو سنبھل گئیں اور پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سلطان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگیں، جہاں اذیت وکرب کا غبار پھیلا ہوا تھا۔

"آپ کو اندازہ نہیں کہ میں کتنا تنہا ہوں؟" ٹیپو اپنے لہجے کی خلش کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اگر آپ تنہائی کی شریک نہیں ہو سکتیں تو کم سے کم میری بے چارگی کو تماشا تو نہ بنائیے"

رقیہ بانو اپنی غلطی کا احساس کر کے رقت آمیز لہجے میں شوہر سے معافی مانگنے لگیں۔

"آپ نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ جذبات کی طغیانی میں اکثر لوگ بہہ جاتے ہیں۔ کچھ نے غم زدہ ماں کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مگر کچھ لوگ آخری سانس تک بلا خیز موجوں سے لڑتے ہی رہتے ہیں۔

اگر وہ ڈوب جائیں تو ان کی تاریخ ہمیشہ کے لئے دریا کے سینے پر تحریر وہ کر دی جاتی ہے کہ موت کو گلے لگا لیا مگر پانی سے زندگی کی بھیک نہیں مانگی۔ اور اگر وہ ساحل مراد تک پہنچ جائیں تو خود اپنی تاریخ رقم کرتے ہیں۔ پھر ان سے دریا بھی شرمندہ رہتا ہے اور طوفان بھی۔" یہ کہہ کر ٹیپو خاموش ہو گیا۔ رقیہ بان نو اپنے جذباتی رد عمل پر بہت شرمسار نظر آ رہی ار نظر آ رہی تھیں۔

"آپ جانتی ہیں کہ سید غفار نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھ سے کیا کہا تھا؟" سلطان دوبارا اپنی شریک حیات سے مخاطب ہوا۔

رقیہ بانو چونک کر شوہر کی طرف دیکھنے لگیں۔

"اس مرد جانثار نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر لارڈ کارنواس آمادہ ہو جائے تو وہ شہزادوں کے بدلے اپنے دونوں بیٹے بھیجنے کے لئے تیار ہے"

سید غفار کی اس قربانی کا ذکر کرتے ہوئے ٹیپو کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی جھلکنے ٹیپو کی لگی تھی۔

"یہ کوئی زبانی دعوی نہیں۔ میں سید غفار کو خوب جانتا ہوں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے، اس پر عمل بھی کرتا ہے۔"

رقیہ بانو یہ واقعہ سن کر دم بخود رہ گئیں اور ٹیپو تیز قدموں کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

آج راج محل میں کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ جب عشاء کی نماز کے بعد ٹیپو کو معلوم ہوا اس نے ایک ایک شخص کو کھانا کھانے پر مجبور کر دیا۔

"یہ خدا کی کیسی ناشکری ہے کہ تم لوگوں نے گھر کو ماتم کدہ بنا ڈالا؟"

کسی کے حلق سے غذا نہیں اتر رہی تھی مگر

لوگ حکمِ سلطانی سے مجبور تھے۔ خود ٹیپو کے حلق سے بھی کوئی چیز نہیں اتر رہی تھی۔ وہ خود بھی سب کے ساتھ شریک ہوا مگر اس وقت دنیا کی لذیذ ترین شے بھی بے مزہ لگ رہی تھی۔

سلطان نے دوسروں کو بھوک کی تکلیف سے بچانے کے لئے خود بھی چند لقمے لیے تھے لیکن ہر لقمے کے ساتھ اسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کوئی کانٹا حلق سے شکم تک اتر گیا ہے۔ کھانا کھا کر دوبارہ سلطان اپنے کمرے میں چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی اس نے شجاعت خان کو طلب کرلیا۔

''دروازہ بند کر دو!'' شجاعت خان کے داخل ہوتے ہی ٹیپو نے کہا۔ شجاعت خان چہرے سے برسوں کا بیمار معلوم ہو رہا تھا۔

''میں بابا محترم کی قبر پر حاضر ہونا چاہتا تھا۔''

یکا یک ٹیپو کے لیجے سے اُداسی چھلکنے لگی تھی۔ شجاعت خان نے چونک کر سلطان کی طرف دیکھا۔

''شہزادے! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟'' ٹیپو نے شجاعت خان کی آغوش محبت میں پرورش پائی تھی، اس وجہ سے شجاعت خان اسے شہزادہ کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ مگر دربار میں وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح ٹیپو کو سلطان محترم کہا کرتا تھا۔ نواب بہادر تو لال باغ میں آرام فرما رہے ہیں اور لال باغ پر دشمنوں کا قبضہ ہے۔ مگر آپ وہاں کس لئے تشریف لے جانا چاہتے تھے؟

''میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔'' شجاعت خان ٹیپو کا لہجہ کچھ اور اُداس ہو گیا تھا۔

''میں بابا محترم کے سامنے اپنے ناکارہ ہونے کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں شہزادے!'' ٹیپو کی شدت احساس نے شجاعت خان کو رلا دیا تھا۔

''آپ جیسے بیٹے تو کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ اگر نواب بہادر زندہ ہوتے تو برسرِ عام آپ کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور سب کے سامنے اعتراف کرتے کہ آپ فخرِ خاندان ہی نہیں فخرِ ہندوستان بھی ہیں۔''

''نہیں شجاعت خان! تم اپنی محبت کا حق ادا کرنے کے لئے حقیقت سے آنکھیں چرا رہے ہو۔'' ٹیپو کے لہجے کا کرب مزید نمایاں ہو گیا تھا۔

''ابھی تمہیں اندازہ نہیں مگر جب اتحادیوں سے یہ معاہدہ تکمیل کو پہنچے گا تو میں آدھے ملک سے محروم ہو چکا ہوں گا۔ کیا یہ فخرِ خاندان ہونے کی علامت ہے کہ باپ نے جو کچھ دیا تھا، بیٹے نے اسے گنوا دیا۔''

''نہیں شہزادے! یہ سارے مسائل آپ کو میراث میں ملے ہیں۔'' شجاعت خان، ٹیپو کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے مایوسیوں کے غبار کو دھونے کی کوشش کر رہا تھا۔

''نواب بہادر اس وقت دنیا سے رخصت ہوئے، جب بیشتر علاقوں پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ آپ نے بیک وقت تین بڑی طاقتوں سے پنجہ آرائی کی اور انہیں شکست دے کر اپنا ایک

ایک علاقہ واپس لیا۔"

"اور اب؟" ٹیپو نے شاندار ماضی کو نظر انداز کر کے شکستہ حال کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تو گردش وقت کا ایک انداز ہے شہزادے" شجاعت خان بڑے بچے لہجے میں حقائق بیان کر رہا تھا۔

"جب مہرے ہی خلاف ہو جائیں تو میر سپاہ کیا کر سکتا ہے؟"

"تو یہ میرے میرے خلاف کیوں ہیں؟"

آخر ٹیپو کے دل کا درد اس کی زبان تک آ گیا۔

"بار بار ان کی خطائیں معاف کرتا ہوں، انہیں عزت نفس کا سبق دیتا ہوں اور معصیت آلود زندگی سے بچانا چاہتا ہوں۔ رعایا کی خوشحالی اور آزادی میرا نصب العین ہے اور مساوات میرا نظریہ حیات میں نے آج تک کسی غیر مسلم پر جبر نہیں کیا۔ پھر انہیں مجھ سے کیا شکایت ہے؟"

"عوام کو آپ سے کوئی شکایت نہیں۔" شجاعت خان نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ہندو رعایا تو آپ کو دیوتا کا درجہ دیتی ہے۔

"پھر یہ ہنگامہ آرائی کیوں ہے؟" ایکا ایک ٹیپو کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"اس سلسلے میں عام رعایا بے قصور ہے۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ ایک ایک غدار کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دیتی۔" شجاعت خان نے بڑے بے باک انداز میں حقائق بیان کرتے ہوئے کہا۔

"ان ساری غداریوں کا سہرا امراء کے سر ہے اور امراء آپ سے خوش نہیں ہیں۔ ان کی ناخوشی کا سبب آپ کا اسلامی کردار ہے۔

آپ انہیں شراب پینے نہیں دیتے، رقص و سرور کی محفلوں پر پابندی عائد ہے، کنیزوں کی شکل میں داستائیں رکھنے کی اجازت نہیں، رشوت حرام ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ امراء کو رعایا کا خدمت گار بنانا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ انہیں آقا تسلیم کیا جائے۔ پھر آپ سے کون خوش ہوگا؟"

ٹیپو نے اقتدار سنبھالتے ہی احترام کی ساری کافرانہ رسمیں ختم کر دی تھیں۔ ورنہ اس سے پہلے ہندوستان میں یہ رسم عام تھی کہ رعایا اپنے فرمانروا کو سجدہ کرتی تھی یا پھر لوگ احتراما اس قدر جھک جاتے تھے کہ ان کے سلام پر سجدے کا گمان ہوتا تھا۔

ٹیپو نے تخت نشین ہوتے ہی احترام کے ان مظاہروں کو حرام قرار دے دیا تھا۔ اس سلسلے میں سلطان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی کو ہاتھ اٹھا کر سلام نہیں کرتا تھا اور نہ کسی دوسرے شخص کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ سلطان کو ہاتھ اٹھا کر سلام کرے۔ بس احترام کے لئے السلام علیکم کے الفاظ کہہ دینا کافی تھے۔

امرائے سلطنت کو سلطان کا یہ حکم بہت گراں گزرا تھا۔ وہ اپنے نفس کی تسکین کے لئے عوام کی پیشانیوں کو زمین پر رگڑتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے اور

ٹیپو نے ان متکبروں کو رعایا کے دوش بہ دوش کھڑا کر کے بندہ و آقا کا فرق مٹا دیا تھا۔

کورگ اور ملایا میں زمانہ قدیم سے یہ رسم جاری تھی کہ وہاں کی ہندو عورتیں نیم برہنہ لباس میں گھروں سے باہر نکلتی تھیں۔ اس علاقے پر قبضہ کرتے ہی سلطان نے حکم جاری کیا کہ آج کے بعد سے کوئی عورت اس شرم ناک حالت میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔

ٹیپو نے صدیوں بعد بے لباس ہندو تہذیب کو بھی شرم و حیا کا لباس پہنایا تھا۔

سینکڑوں سال تک مردوں کی ہوس پرست نگاہوں کا مرکز بنے والی ہندو عورت، عہد سلطانی میں سر پر چادر ڈال کر نکلتی تھی۔

ٹیپو سے پہلے یہ قبیح رسم جاری تھی کہ غریب ہندو عورتیں سر بازار نیلام کر دی جاتی تھیں۔ عورتوں کی خرید و فروخت کے لئے بڑے بڑے شہروں میں منڈیاں قائم تھیں۔

سلطان نے برسر اقتدار آتے ہی اس لعنت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور عورتوں کے تاجروں کو عبرت ناک سزائیں دیں۔ ٹیپو کا یہ اصلاحی کارنامہ ہندو جاگیرداروں اور زمینداروں کو سخت گراں گزرا تھا اور اسی وجہ سے وہ دن رات سلطان کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔

ٹیپو کی تخت نشینی سے پہلے جنوبی ہندوستان اور میسور میں غلاموں کی خرید و فروخت بھی عام تھی۔

سلطان نے انسداد غلامی کا فرمان حضرت عمر فاروقؓ کے ان الفاظ کے ساتھ جاری کیا۔

”اللہ نے ہر بچے کو اس کی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا کیا ہے۔ پھر تمہیں کس نے یہ حق دیا ہے کہ تم اپنے ہی ایک ہم جنس کو غلام بنا ڈالو!“

ہند و سود خوروں کو سلطان کی یہ معاشرتی اصلاح بھی بہت گراں گزری تھی۔

ٹیپو سے پہلے شہر میسور کے قریب چامنڈی کی پہاڑی پر کالی دیوی کا مندر تھا، جہاں صدیوں سے انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔

سلطان نے نہایت سختی سے اس حیوانی رسم کو روک دیا۔ بھینٹ کی رسم کے موقوف ہوتے ہی عام انسانوں میں ناقابل بیان خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مگر برہمن اور ہندو پجاری خفا ہو گئے اور اپنے مذہبی اجتماعات میں سلطان کے خلاف زہر اگلنے لگے۔ وہ ہندو دھرم کو تباہ کر رہا ہے۔

”کیا تم میں ایسا کوئی سورما موجود نہیں جو ٹیپو کا سر کاٹ کر دیوی کے قدموں میں پیش کرے؟“

سلطان ٹیپو، بیمار ہندوستان کا مسیحا تھا مگر بد نصیب ہندوستانی اپنے مسیحا کی موت کا انتظار کر رہے تھے۔

اور ٹیپو اپنے نائب سپہ سالار سے کہہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

☆......☆......☆

غارِ حرا

عمار حسین



قدیم زمانے میں انسان ہمارے جیسے مکانوں میں نہیں بلکہ غاروں میں رہا کرتے تھے۔ آپ یوں سمجھیں کہ غار پہاڑ کے اندر قدرتی طور پر بنا ہوا ایک محفوظ مقام ہوتا ہے جس میں انسان اور جانور خراب موسم سے بچنے کے لئے رہتے ہیں۔

میں اسی قسم کا ایک غار ہوں اور میرا مقام مکہ معظمہ کے قریب پہاڑیوں میں ہے۔ یہ پہاڑیاں بہت اونچی نہیں لیکن آپ ان پر اگر چڑھنا چاہیں تو ضرور تھک جائیں گے۔ ان پہاڑیوں پر محض جھاڑیاں ہیں اور کوئی درخت نہیں۔

عرب میں لوگوں کی لوگوں کی زندگی کا دارو مدار بھیڑ بکریوں اور اونٹوں پر تھا۔ چارے کی تلاش میں اپنے جانوروں کو ان پہاڑیوں پر لے جاتے اور جب تھک جاتے اور دھوپ کی شدت سے بچنا چاہتے تو چٹانوں کے سائے میں آرام کرتے۔ کچھ چرواہے بہت بلندی تک آجاتے اور میرے قریب پہنچ جاتے لیکن مکہ کا ایک نوجوان کسی اور غرض سے ان پہاڑوں پر آتا اور میرے ہاں قیام کرتا۔ دوری کی وجہ سے آبادی کا کوئی شور مجھ تک نہیں پہنچتا تھا۔

یہاں پر نہایت خاموشی ہوتی۔ اس خاموشی میں کبھی دن اور کبھی رات یہ نوجوان اللہ کو یاد کرتا۔ اس اللہ کو جس نے اس دنیا کو پیدا کیا۔ چاند ستارے، پانی ہوا، سمندر بنائے۔ وہ اللہ جس کے حکم کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔

ایسے زمانے میں جب مکہ والے پتھروں کے بت بنا کے ان کو خدا سمجھ بیٹھے۔ یہ بات اور لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکتی تھی۔ مگر یہ نوجوان صرف اللہ اور اللہ اور اللہ ہی کو یاد کرتا۔ آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس نوجوان کا پیارا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ آپ ﷺ جب بھی آتے ایسے لگتا جیسے سارا ماحول مہک اُٹھا ہے وقت کے گزرنے کے ساتھ

آپ ﷺ کی عبادت بڑھتی گئی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ میرے ہاں عبادت میں مصروف تھے۔ رات اندھیری تھی اور آپ ﷺ اللہ سے یہ کہہ رہے تھے۔

اے سارے جہاں کے پالنے والے اے آسمانوں، سورج چاند ستارے اور پہاڑوں کے پیدا کرنے والے تو ہی تو میرا رب ہے اور مجھے پیدا کرنے والا ہے۔ تو نے ہی سارے جہانوں کو بنایا۔ میں صرف تیری ہی رضا چاہتا ہوں۔

جب آپ ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے تو ایک فرشتہ جن کا نام جبرائیل علیہ السلام ہے، اللہ کے حکم سے زمین پر وہ عظیم کلمات لے کر اترے جنھیں ساری دنیا قرآن مجید کے نام سے جانتی ہے۔ کلمات یہ تھے۔

''اے محمد ﷺ پڑھیے!''

حضرت محمد ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔

تب حضرت جبرائیل آگے بڑھے اور تین دفعہ آپ ﷺ کو سینے سے لگایا اور ہر مرتبہ یہ کہا ''پڑھیئے!'' لیکن رسول اکرم ﷺ یہی جواب دیتے رہے کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور مندرجہ ذیل کلمات پڑھنے شروع کئے جو آپ ﷺ دہراتے جاتے تھے۔

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھیئے اللہ کے نام سے جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھیئے آپ کا رب بہت فضیلت والا ہے اس نے انسان کو قلم کے ذریعے ان چیزوں کی تعلیم دی جنھیں پہلے وہ نہ جانتا تھا۔ (سورۃ العلق)

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام رخصت ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عجیب وغریب خوف طاری ہو گیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے گھر واپس ہو لیے۔ آپ ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھی کہ آپ ﷺ کانپ رہے ہیں اور آپ ﷺ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ہیں تو انھوں نے فوراً بستر بچھا دیا۔ آپ ﷺ لیٹ گئے۔ حضرت خدیجہ نے کمبل اوڑھا دیا۔

تھوڑی دیر بعد جب رسول اکرم ﷺ کی گھبراہٹ کم ہوئی اور خوف جاتا رہا تو آپ ﷺ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ کو سنایا اور بتلایا کہ کس طرح غار حرا میں میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ کس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا کہ پڑھو اور آپ ﷺ نے انکار کیا اور پھر جو کچھ وہ پڑھتے گئے آپ ﷺ دہراتے رہے۔

یہ باتیں سن کر حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا:

"اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ آپ انتہائی نیک اور پاکیزہ بندے ہیں۔ آپ انسانوں سے محبت کرتے ہیں۔ کبھی کسی سے جھوٹ نہیں بولتے۔ ہر انسان کی قدر کرتے ہیں۔ حق دار کو اس کا حق دینے پر آپ قائم ہیں اور بہت بلند اخلاق کے مالک ہیں۔ صادق وامین ہیں۔"

آپ ﷺ کی مزید تسلی کے لئے حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ایک عالم فاضل اور عقلمند بزرگ تھے اور انھوں نے بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور انجیل وتورات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دین کے معاملات کو خوب سمجھتے تھے۔ ورقہ بن نوفل بتوں کو ناپسند کرتے اور ان کی عبادت سے گریز کرتے۔

جب ورقہ بن نوفل نے یہ تمام واقعہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور ہمارے پیارے نبی ﷺ کو گلے لگاتے ہوئے یہ کہنے لگے:

"یہ بے شک اللہ کی وحی (پیغام) تھا جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ آپ ﷺ اب عرب کے نبی ہی نہیں بلکہ یوں کہیے کہ ساری دنیا کے نبی ہیں۔ آپ ﷺ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی طرح ہیں۔ اللہ نے آپ کو اس بات کے لئے منتخب کیا ہے کہ آپ ﷺ انسانوں کو بھلائی، محبت اور نیکی کی طرف بلائیں مگر آپ یاد رکھئے شروع میں لوگ آپ کو جھٹلائیں گے اور آپ کو آپ کے شہر سے نکال دیں گے لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کافروں پر غالب آجائیں گے۔ میری آرزو ہے کہ میں اتنی عمر پاؤں کہ آپ اور آپ ﷺ کی نبوت کی حمایت کروں۔"

ورقہ بن نوفل کی باتیں سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سکون ملا۔

اب آپ ﷺ کے دل میں یہ تمنا تھی کہ اس طرح کا پیغام اللہ کی جانب سے آپ کو ملتا رہے۔

آپ ﷺ اب میرے پاس زیادہ آنے لگے اور آپ ﷺ کو اللہ کے دوسرے پیغام کا شدت سے انتظار رہتا۔

کافی عرصہ گزر جانے کے بعد آپ ﷺ پر دوسرا پیغام آیا۔ اُس وقت آپ ﷺ میرے ہاں نہیں بلکہ اپنے گھر میں تھے۔ جونہی حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، آپ ﷺ پر کپکپی طاری ہوگئی اور آپ ﷺ نے اپنی زوجہ کو یہ کہہ کر آواز دی کہ مجھ پر جلدی سے کمبل ڈال دو!

حضرت خدیجہ جلدی سے ایک کمبل لے کر آئیں اور آپ ﷺ کو اوڑھا دیا۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل آپ ﷺ سے مخاطب ہوئے اور ان کی آواز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا نہ سن سکتا تھا۔

حضرت جبرئیل نے جو کچھ پڑھا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اے کمبل میں لپٹے ہوئے نبی! آپ اٹھیئے!۔لوگوں کو اللہ سے ڈرائیں! اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے! اپنے لباس کو پاک کیجئے! برائیوں سے دور رہیئے! اور کسی پر اس لئے احسان نہ کریں کہ وہ اس سے بڑھ کر اس کا بدلہ آپ کو دے اور اپنے رب کا پیغام پہنچانے کے لئے آپ صبر اور برداشت سے کام لیں۔"

اس کے بعد اللہ کا پیغام (وحی) ہمارے پیارے نبی کے پاس آنا شروع ہو گیا اور قرآن حکیم کی آیت پر آیت نازل ہونے لگی۔ (یہ سلسلہ تقریباً ۲۳ سال رہا) سب سے آخر میں اللہ کا جو پیغام ہمارے نبی ﷺ کو ملا وہ یہ تھا۔

"آج کے دن ہم نے آپ کے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی تمام نعمتوں سے آپ کو مالا مال کر دیا اور آپ اور تمام انسانوں کے لئے دین اسلام کو ہم نے پسند کیا۔"

مجھے دنیا کے تمام غاروں پر فضیلت ہے اس لئے کہ میں وہ خوش نصیب غار ہوں کہ جہاں اللہ کے آخری نبی پر تمام دنیا کے انسانوں کے لئے اللہ کے پیغام کی ابتدا ہوئی۔

پیارے مسلمان بچو! تم نے میرے نام سے متعلق اپنے بزرگوں سے ضرور سنا ہو گا۔ جو لوگ حج اور عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ آتے ہیں ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ مجھ تک پہنچیں۔ وہ لوگ اپنے آپ کو بے حد خوش نصیب سمجھتے ہیں جو مجھ تک پہنچ کر دو رکعت نماز نفل اس مقام پر کھڑے ہو کر پڑھیں۔ جہاں پر آج سے چودہ سو سال پہلے تاکہ پیارے نبی عبادت میں مشغول رہتے اور جہاں پر ان پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

آپ بھی جب بڑے ہوں گے تو ان شاء اللہ آپ کی بھی یہ تمنا ہو گی کہ آپ مکہ کی اس پہاڑی پر پڑھ کر مجھ تک پہنچیں جہاں ہمارے پیارے نبی نے بیشتر وقت عبادت الٰہی میں گزارا۔

مجھے غار حرا کہتے ہیں اور میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوں کہ مجھے برسوں تک خاتم النبین ﷺ کی قدم بوسی کا شرف ملا۔

☆......☆......☆

کوپن برائے "وہ کون تھا؟"

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)



ماہ ذی قعدہ کی فضیلت

نورایمن

اسلامی سال کا گیارھواں مہینہ ذیقعدہ ہے جو بڑا مبارک اور حرمت والا پہلا مہینہ ہے۔ جس میں جنگ و قتال حرام ہے، اس ماہ میں عرب جنگ کو ترک کر دیتے تھے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے تھے۔

اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ قعود سے ماخوذ ہے جس کے معنی بھی بیٹھنے کے ہیں اور عرب کے لوگ اس مہینے گھروں میں بیٹھے رہتے تھے۔ اس لئے اس ماہ کا نام بھی ذیقعدہ رکھا گیا۔

اللہ نے سال کے بارہ ماہ میں سے چار مہینوں کو حرمت والے مہینے قرار دیا ان میں سے پہلا یہ ماہ مقدس ہے۔

ماہِ ذی قعدہ (جسے حج کا دوسرا مہینہ اور چار عظمتوں والے مہینوں میں سے پہلا مہینہ کہا جاتا ہے جبکہ اسلامی تقویم کے اعتبار سے گیارہواں مہینہ کہلاتا ہے۔ اس مہینہ کی عظمت و فضیلت کیلئے یہ ہی کچھ کافی ہے کہ اس میں عام طور پر دُنیا بھر سے ''حج'' جیسی عظیم الشان عبادت ادا کرنے کیلئے حجاجِ کرام حرمین شریفین کی طرف رخت سفر باندھ کر وہاں کی حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ماہِ ذی قعدہ کو خصوصی شرف و فضیلت بخشی ہے اور اس کو اُن چار مہینوں میں شامل فرمایا ہے کہ جن کی عظمت و بزرگی اسلام سے پہلے بھی تھی اور اسلام کے بعد بھی ہے۔ وہ چار مہینے یہ ہیں: ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب۔

اسلام کے آغاز تک ان چاروں مہینوں میں جہاں عبادت و طاعت کی خاص فضیلت تسلیم کی جاتی تھی تو وہیں ان میں جہاد و قتال وغیرہ کرنا بھی

منع سمجھا جاتا تھا، اور اسلام میں تو اب بھی ان مہینوں میں عبادت و طاعت کی فضیلت برقرار ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اُس وقت سے (لے کر آج تک) مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے یہاں بارہ ہے،ان میں سے 4 مہینے (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) عظمت و بزرگی والے ہیں، یہ ہی ہے سیدھا دین، لہٰذا ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم مت کرو‘‘

حدیث شریف میں حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’جس دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، اُس دن سے لے کر آج تک زمانہ اُسی حالت پر گھوم پھر کر واپس آ گیا (یعنی اب اس کے دنوں اور مہینوں میں کمی و زیادتی نہیں ہے جو زمانۂ جاہلیت میں مشرک کیا کرتے تھے، بلکہ اب وہ ٹھیک ہو کر اُسی طرز پر واپس آ گیا ہے جس طرز پر اپنی ابتدائی اصلی صورت میں تھا) ایک سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے۔ ان میں 4 مہینے عزت و حرمت والے ہیں، جن میں تین مہینے تو مسلسل ہیں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، اور محرم ہیں، اور ایک مہینہ (جو اِن سے علیحدہ آتا ہے) وہ رجب کا ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان واقع ہے۔ (صحیح بخاری:3197)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

’’صبر یعنی رمضان کے مہینے کے روزے رکھو! اور ہر مہینے میں ایک دن کا روزہ رکھ لیا کرو‘‘

صحابی نے عرض کیا کہ: ’’مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے، لہٰذا میرے لئے مزید اضافہ فرما دیجئے‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’ہر مہینے میں دو دن روزہ رکھ لیا کرو‘‘

صحابیؓ نے عرض کیا: ’’میرے اندر اس سے بھی زیادہ کی طاقت ہے اس لئے مزید اضافہ فرما دیجئے!‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’ہر مہینے میں تین دن روزے رکھ لیا کرو‘‘

صحابیؓ نے عرض کیا: ’’میرے اندر اس سے بھی زیادہ کی طاقت ہے اس لئے میرے لئے مزید اضافہ فرما دیجئے‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’حرمت والے مہینوں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں روزہ رکھو اور چھوڑو‘‘

اور آپ ﷺ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرما کر ان کو ساتھ ملایا پھر چھوڑ دیا (مطلب یہ تھا کہ ان مہینوں میں تین دن روزہ رکھا کرو، پھر تین دن ناغہ کیا کرو) اور اسی طرح کرتے رہا کرو‘‘ (سنن ابو داوٗد:2428)

حضرت سالم رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حرمت و عظمت والے چاروں مہینوں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور

رجب) میں روزے رکھا کرتے تھے"(مصنف عبدالرزاق:7856)

امام نووی ؒ نے بھی اپنے اصحاب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حرمت و عظمت والے ان 4 مہینوں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں روزے رکھنا مستحب روزوں میں سے ہے۔(المجموع شرح المھذب، ج6،ص386)

اسی طرح امام نووی ؒ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:"ماہِ رمضان کے بعد سب سے زیادہ جن مہینوں میں روزے رکھنے کا ثواب ملتا ہے وہ یہ ہی چار مہینے (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) ہیں"(روضۃ الطالبین)

بعض جاہل اور اَن پڑھ لوگ ذی قعدہ کے مہینے کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں تو وہ شاید اس وجہ سے کہ یہ مہینہ اپنے سے پہلے اور بعد کے مہینوں کے برعکس عید الفطر و عید الاضحی وغیرہ سے خالی ہوتا ہے، اور خالی کا مطلب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس مہینے میں کسی نیک عمل و طاعت کی بالکل ضرورت نہیں، یہ خیال بالکل غلط، فاسد اور سراسر جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے اس سے بچنا چاہیے۔

اسی طرح بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ اس مہینہ میں نکاح اور شادی وغیرہ بھی نہیں کی جا سکتی کہ کہیں وہ خیر و برکت سے خالی نہ رہ جائے۔

چنانچہ اکثر و بیشتر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ ماہ شوال میں جلدی جلدی شادیاں کر کے فارغ ہو جاتے ہیں تاکہ کہیں ذی قعدہ کا مہینہ شروع نہ ہو جائے۔حالانکہ ماہِ ذی قعدہ 5 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے اُم المومنین حضرت زینب ؓ سے نکاح فرمایا تھا۔(البدایہ والنہایہ، ج4،ص166)

اسی طرح ماہِ ذی قعدہ 7 ہجری میں آپ ﷺ نے حضرت میمونہ ؓ سے نکاح فرمایا تھا۔(سیر اعلام النبلاء: ج02ص239)۔

الغرض ماہِ ذی قعدہ میں نکاح و شادی وغیرہ اور عبادات کرنے کو خیر و برکت سے خالی سمجھنا یہ سب زمانہ جاہلیت کی باتیں اور توہمات پرستیاں ہیں جن کا شریعت اور اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح بعض لوگوں میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ماہِ ذی قعدہ کے شروع ہونے پر مبارکباد دے تو اُس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔

اور اس فضیلت کو سن کر بعض جاہل و ناداں لوگ ماہِ ذی قعدہ کے آغاز پر ایک دوسرے کو (سوشل میڈیا وغیرہ پر) مبارک باد دینا شروع کر دیتے ہیں، سو! یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کی کوئی بات بھی نہ شریعت میں وارد ہوئی ہے اور نہ ہی شریعت سے ثابت ہے۔

☆......☆......☆



چھن چھن کا وعدہ

آمنہ بخاری

چھن چھن ایک ننھی سی چھتری تھی۔

وہ چھتری جسے سب لوگ بارش میں کھولتے ہیں۔ اس کا رنگ نیلا تھا اور اس پر چھوٹے چھوٹے ستارے بنے ہوئے تھے۔ وہ بہت خوش مزاج تھی اور اس کے بہت سارے دوست تھے۔ مگر اس کے سب سے اچھے دوست تھے۔

ٹِک ٹِک گھڑی، جو ہمیشہ وقت کا خیال رکھتی تھی اور چوچی شوز، جنھیں کیچڑ میں چلنے کا شوق تھا۔

ایک دن بڑا زبردست بادل آیا۔

''گیارہ بجے بارش ہو گی۔'' ٹِک ٹِک نے وقت بتایا۔

''وعدہ کرتی ہوں، میں آج ٹِک ٹِک کو بارش میں باہر لے جاؤں گی''، چھن چھن نے فوراً خوش ہو کر کہا۔

''مجھے بھی لے جانا، مجھ سے بھی وعدہ کرو نا۔'' چوچی شوز بھی اچھلی۔

''ہاں ہاں بھئی! پکا وعدہ۔'' چھن چھن نے زور سے کہا۔

پھر کیا تھا؟ سب خوش ہو گئے اور بارش کا انتظار کرنے لگے۔ مگر جب بارش آئی، چھن چھن نیند میں تھی۔

''چھن چھن! اُٹھو! ہمیں بارش میں لے چلو! وعدہ کیا تھا نا؟'' ٹِک ٹِک بولی۔

''بارش تو کسی اور دن بھی ہو گی، تب چلیں گے آج مجھے نیند بہت پیاری ہے۔'' چھن چھن نے نیند میں کروٹ بدلی اور کہا۔

''اف! وعدہ تو کر لیا تھا۔'' یہ سن کر چوچی شوز نے آہ بھری۔

اس طرح بارش ختم ہو گئی اور شام کو سب اداس تھے۔ اگلے دن جب سورج نکلا تو چھن چھن سب سے خوشی خوشی ملی اور ہمیشہ کی طرح پوچھا۔

''ہیلو! سب نے اچھی نیند لی ہے نا؟''

''مگر چھن چھن تم نے وعدہ نہیں نبھایا'' ٹِک ٹِک نے جواب دیا۔

''جس کا وعدہ سچا نہ ہو، اس پر اعتبار کم ہو جاتا

ہے۔“ چوچی نے آہستہ سے کہا۔

دوستوں کی باتیں سن کر اور انھیں اداس دیکھ کر چھن چھن کو شرمندگی ہوئی۔ اس نے سر جھکا لیا اور کہا۔

”میرا وعدہ جھوٹا نکلا؟ اب کیا کروں؟“

اسی وقت دیوار پر ٹنگی ہوئی پرانی کتاب سے ایک آواز آئی۔

”لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ“ (مسند احمد)

”یہ کیا ہے؟“

چھن چھن نے حیرانی سے پوچھا۔

”یہ حدیثِ مبارکہ ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ جو وعدہ پورا نہیں کرتا، اس کا دین مکمل نہیں ہوتا۔

کیوں کہ وعدے کی پاسداری ایمان کی نشانی ہے۔“ کتاب نے سمجھایا۔

”اوہو! مجھے معاف کر دو پیارے دوستو! اب جو وعدہ کروں گی اسے پورا نبھاؤں گی۔ ان شاءاللہ“ چھن چھن نے فوراً اپنے ہاتھ جوڑ دیے اور بولی۔

اگلے دن بارش آئی تو چھن چھن سب سے پہلے جاگی، اس نے سب کو جگایا اور تینوں دوست چھپاک چھپ کیچڑ میں خوب کھیلے۔

”اب ہماری چھن چھن وعدے کی پکی بن گئی ہے۔“ ٹِک ٹِک ہنس کر بولی۔

”اور اب چھن چھن کا دین بھی پورا پورا“

چھن چھن نے شرماتے ہوئے حدیث دہرا دی:

لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ

اور سب ہنسنے لگے۔



پانی

☆ اُوپر سے گرے تو بارش۔

☆ جم کے گرے تو اولے۔

☆ گر کے جمے تو برف۔

☆ پھول پر گرے تو شبنم۔

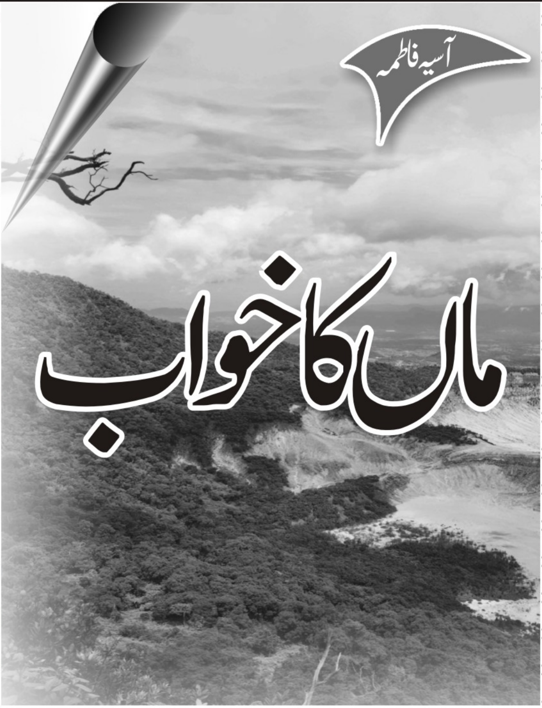
☆ پھول سے نکلے تو عرق۔

☆ آنکھ سے نکلے تو آنسو۔

☆ قدمِ اسماعیل علیہ السلام رگڑنے سے نکلے تو زم زم۔

☆ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ مبارک سے تقسیم ہو تو آبِ کوثر۔

(انتخاب: محمد حبیب اللہ)



ماں کا خواب

آسیہ فاطمہ

”امی! آپ کو پتہ ہے، میں جب بڑا ہو جاؤں گا نا، تو میں دنیا کا سب سے بہادر انسان بنوں گا۔“

ننھے دانیال نے اپنی ماں کے قریب بیٹھ کر فخر سے کہا تو امی نے مسکرا کر اس کے بال سہلائے اور بولیں۔

”اچھا؟ اور بہادر لوگ کیا کرتے ہیں؟“

دانیال نے فوراً کہا۔

”وہ کسی سے نہیں ڈرتے، کسی کی مدد نہیں لیتے، اور اپنے سارے کام خود کرتے ہیں۔“

امی نے دانیال کا جواب سن کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مزید پوچھا۔

”اور ماں سے محبت؟ وہ بھی بہادر لوگ نہیں کرتے؟“

”امی! بس بس! میں بہت مصروف ہوں، مجھے اپنے کھیل پر دھیان دینا ہے۔“ یہ کہہ کر دانیال امی کی بات کا جواب دیے بغیر باہر بھاگ گیا۔

امی نے گہری سانس لی اور آسمان کی طرف دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

”یا اللہ! میرے بیٹے کو میری محبت کی قدر سکھا دینا“

☆......☆......☆

اُسی رات دانیال کو ایک عجیب خواب آیا کہ وہ ایک جنگل میں کھڑا تھا، جہاں ہر طرف اندھیرا تھا۔ درختوں سے عجیب سی سرگوشیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ گھبرا کر آگے بڑھا تو ایک اونچی آواز سنائی دی۔

”آپ یہاں اکیلے کیا کر رہے ہو؟“

دانیال نے ڈرتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک بوڑھی لومڑی اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''میں یہاں کیسے آیا؟ مجھے واپس جانا ہے۔''

دانیال نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا تو لومڑی ہنس پڑی اور بولی۔

''یہ جنگل صرف ان بہادروں کے لیے ہے، جو کسی کی مدد نہیں لیتے، آپ نے کہا تھا نا کہ آپ سب کچھ خود کر سکتے ہو؟ تو اب خود ہی راستہ ڈھونڈ لو یہاں آپ کی کوئی مدد کرنے نہیں آئے گا۔''

لومڑی کی بات سن کر دانیال نے جلدی سے بھاگنے کی کوشش کی، مگر ہر طرف راستے بند تھے ہر طرف سے خوفناک آوازیں آ رہی تھیں، اور اوپر سے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔

''امی!'' دانیال کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''ارے! آپ تو بہادر ہو نا؟ پھر ماں کو کیوں بلا رہے ہو؟'' لومڑی نے قہقہہ لگایا۔

لومڑی کی بات سن کر دانیال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ روتے ہوئے بولا۔

''نہیں! میں بہادر نہیں ہوں میں بس اپنی امی کے پاس جانا چاہتا ہوں۔''

☆......☆......☆

روتے روتے اچانک دانیال کی آنکھ کھل گئی، جب وہ اٹھا تو پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ اپنے بستر پر تھا، اور اس کے قریب اس کی امی بیٹھی ہوئی تھیں اور اس پر کچھ پڑھ کر دم کر رہی تھیں۔

''دانیال بیٹا! آپ کو کیا ہوا؟ آپ نیند میں رو کیوں رہے تھے کوئی برا خواب دیکھ لیا کیا؟ امی نے فکرمندی سے پوچھا تو دانیال نے جھٹ سے امی کو گلے لگا لیا اور بولا۔

''امی! میں بہادر نہیں بننا چاہتا، میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، آپ کے آنچل کے سائے میں۔''

امی مسکرا کر بولیں۔

''بیٹا! سچی بہادری یہ ہے کہ انسان اپنی محبتوں کی قدر کرے اور ان محبتوں میں سرفہرست ماں کی محبت ہے جو ماں کی محبت کو سمجھ گیا، وہی دنیا کا سب سے بہادر اور خوش قسمت انسان ہے۔''

دانیال نے امی کی بات کو غور سے سنا اور اس دن کے بعد دانیال نے اپنی امی کی ہر بات ماننے کی ٹھان لی، کیونکہ اسے احساس ہو چکا تھا کہ ماں کی محبت ہی دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے اور ماں کی محبت ہی اصل میں وہ روشنی ہے جو زندگی کے اندھیروں میں بھی ہمارا ساتھ دیتی ہے۔ اس لیے ماں کی قدر کرنی چاہیے کیوں کہ اس سے بڑی کوئی دولت نہیں ہوتی۔

☆......☆......☆



انفاق فی سبیل اللہ

محمد اسامہ عمران

انفاق کے معنیٰ ہیں مال خرچ کرنا۔اسلام کا تصور یہ ہے کہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے۔قرآن کریم میں کثرت سے آیات آئی ہیں، جن میں بار بار اہلِ ایمان کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر ابھارا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ

(البقرۃ:۲۵۴)

(اے لوگو، جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو دیا ہے۔)

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ

(الحدید:۷)

(اور اس میں سے خرچ کرو جس پر ہم نے تم کو خلیفہ بنایا ہے)

''خلیفہ بنانے'' کا مطلب یہ ہے کہ مال کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔اسے خرچ کرنے کے لیے اس نے تم کو اپنا جانشین بنایا ہے۔جانشین اور نائب کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اصل مالک جس طرح کہے گا اسی طرح اس کو خرچ کرنا ہے۔ہم کسی کو خادم رکھیں، پھر اسے کچھ مال دیں اور کہیں کہ جا کر اس کو فلاں فلاں جگہ خرچ کردو، فلاں سامان لے آؤ، فلاں کو دے آؤ! تو خادم کو یہ حق نہیں ہوتا ہے کہ اپنے طور پر اس میں کچھ تصرف کرے، بلکہ مالک جو ہدایت کرے گا اگر وہ اسی کے مطابق خرچ کرے گا تو اچھا خادم سمجھا جائے گا اور اگر اس کے مطابق خرچ نہیں کرے تو اس کو خیانت کرنے والا سمجھا جائے گا۔

''انفاق'' کا لفظ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں آیا ہے۔صرف ایک آیت میں ہے کہ جو تم نے کمایا ہے اس میں سے اچھا مال خرچ کرو۔

(اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ۔ البقرۃ:۲۶۷)

دوسری آیات میں کہا گیا ہے کہ جو ہم نے تم کو

دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام مال کو کیا حیثیت دیتا ہے؟اور آدمی کو اس پر کس حد تک تصرف کا حق دیتا ہے؟

مال سے ہر شخص کو فطری طور پر محبت ہوتی ہے۔وہ چوں کہ اسے محنت سے کماتا ہے اس لیے اس پر اپنا تسلّط قائم رکھنا چاہتا ہے۔

مال سے محبت اسلام میں معیوب نہیں ہے۔ غربت کا شکار ہونا اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہنا اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے۔ کچھ احادیث اور روایت ایسی ملتی ہیں جن سے لگتا ہے کہ اسلام میں مال داروں کو ناپسند کیا گیا ہے اور غریبوں کے بارے میں تعریف وتوصیف کے الفاظ آئے ہیں۔

اس طرح کے ارشادات کا منشا ان بُرے اوصاف سے انسانوں کو بچانا ہے جن میں عموماً مال دار مبتلا ہو جاتے ہیں، مثلاً تکبر وغیرہ۔اس کا مطلب بہر حال یہ نہیں ہے کہ غربت، مطلقاً پسندیدہ ہے، بلکہ اسلام میں خود کفیل ہونے کی غرض سے مال کمانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس نے جو کچھ کمایا ہے اس پر اس کا تصرف باقی رہے اور اس کی مرضی چلے۔اس بات کو مانتے ہوئے اللہ کی راہ میں انفاق پر ابھارنے کے لیے قرآن مجید میں بڑی لطیف تعبیر اختیار کی گئی ہے:

من ذاالذی یقرض اللہ قرضاً حسنا۔

(البقرۃ:۲۴۵)

(کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھا قرض)

قرض کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ آدمی کسی سے قرض مانگتا ہے تو یہ سمجھتے ہوئے مانگتا ہے کہ وہ مال اسی شخص کا ہے جس سے وہ قرض مانگ رہا ہے۔قرآن میں کثرت سے ایسی آیتیں ہیں جن میں ’’قرض‘‘ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔انسان کو مال و دولت سے اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے اور خود وہی انسانوں سے قرض مانگ رہا ہے۔کتنی لطیف ہے یہ تعبیر!!

صحابۂ کرام کا شوقِ انفاق

ہمارے لیے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیات جب صحابہ کرامؓ کے سامنے نازل ہوئیں اور انھوں نے ان کو سنا تو ان کا کیا ردعمل ہوا؟ان کے اوپر کیسی کیفیات طاری ہوئیں؟ ان آیات کو سن کر اور پڑھ کر انھوں نے عملاً کیا کیا؟اس سلسلے میں کثرت سے صحابہ کرامؓ کے واقعات کتابوں میں ملتے ہیں۔ذیل میں چند واقعات پیش کیے جائیں گے:

قرآن کریم کی یہ آیت جب نازل ہوئی: مَن ذَا الَّذِی یُقرِضُ اللہَ قَرضاً حَسَناً۔ (البقرۃ:۲۴۵) ’’کون ہے جو اللہ کی راہ میں قرض دے؟‘‘ایک صحابی، جن کا نام ابو دحداح تھا، اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگ رہا ہے! اسی نے ہم کو مال سے نوازا ہے اور وہی ہم سے قرض مانگ رہا ہے! تو ہمارا فلاں باغ ہے وہ میں اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔“

راوی بیان کرتے ہیں کہ ان کا کھجور کے چھ سو (۶۰۰) درختوں کا ایک باغ تھا، وہ پورے کا پورا انہوں نے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

روایت میں اور بھی تفصیل آئی ہے۔ صدقہ کرنے کے بعد جب وہ گھر گئے، جو اسی باغ میں تھا اور اس میں ان کے بیوی بچے رہتے تھے، تو وہ گھر میں داخل نہیں ہوئے، باہر ہی سے زور زور سے کہنے لگے: اے ام دحداح! گھر سے باہر نکل آؤ۔ میں نے یہ باغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا ہے۔ اس سے باہر نکل آؤ۔ اب اس میں ہم کو رہنے کا حق نہیں ہے۔“ (مجمع الزوائد، ہیثمی)

قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ۔ (آل عمران: ۹۲)

ہرگز تم کو نیکی نہیں مل سکتی جب تک کہ تم (اللہ کی راہ میں) وہ کچھ نہ خرچ کرو جو تم کو محبوب ہو۔

قرآن کریم کی اس تعبیر پر غور کرنا چاہیے۔ ”لن“ عربی زبان میں کسی چیز کا شدّت کے ساتھ انکار کرنے کے لیے آتا ہے۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ ہرگز نیکی نہیں مل سکتی اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ چیز نہ خرچ کی جائے جو آدمی کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ یہ آیت سن کر ایک صحابی، جن کا نام ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھا، اٹھے۔ انہوں نے اپنے اموال کا جائزہ لیا۔ انہوں نے پایا کہ ان کا فلاں باغ بہت زیادہ مالیت کا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں اس باغ کا نام ”بیر حاء“ مذکور ہے۔ مسجدِ نبوی کے قریب وہ بہت بڑا باغ تھا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک تم اپنا اچھے سے اچھا مال صدقہ نہیں کرو گے تب تک تم کو نیکی نہیں ملے گی۔ یہ میرا مال ہے، باغِ ”بیر حاء“۔ میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔“ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایسا کرو کہ اس کو تم اپنے رشتے داروں میں تقسیم کر دو۔“ انہوں نے پورے باغ کو اپنے رشتے داروں میں تقسیم کر دیا۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کا ایک چھوٹا سا حصہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا تھا۔ بعد میں اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چھ لاکھ درہم میں خریدا تھا۔

اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس باغ کی مالیت کتنی رہی ہوگی؟! اس کو انہوں نے قرآن کی اس ترغیب کے نتیجے میں صدقہ کر دیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اللہ تعالیٰ نے

خوب مال و دولت سے نوازا ہے۔میری صرف ایک بیٹی ہے۔میں چاہتا ہوں کہ پورا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں۔اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو منع کیا۔انہوں نے کہا: اچھا تو آدھا مال صدقہ کردوں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نہیں۔انہوں نے پھر عرض کیا: اچھا، تو میں ایک تہائی صدقہ کردوں؟ تب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ''

(ہاں،ٹھیک ہے، تم ایک تہائی صدقہ کردو اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔) اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ۔

(صحیح بخاری)

(تم اپنے وارثوں کو مال داری کی حالت میں چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم (پورا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کردو اور) ان کو اس حال میں چھوڑو کہ وہ تمہارے بعد در بہ در مارے مارے پھریں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں)

انفاق میں مال دار صحابہ کی مسابقت

جب اللہ کی راہ میں مال کی ضرورت ہوئی تو ایسا بھی ہوا کہ صحابۂ کرام نے اللہ کی راہ میں اپنا پورا مال صدقہ کر دیا۔ان کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے تحسین کا اظہار فرمایا۔

مشہور واقعہ ہے۔غزوۂ تبوک کے موقع پر بہت دور کا سفر درپیش تھا۔سرمایہ کی ضرورت تھی۔رومیوں کی بڑی فوج سے جنگ متوقع تھی۔اللہ کے رسول ﷺ نے اعلانِ عام کر دیا اور لوگوں کو انفاق اور صدقہ و خیرات کی ترغیب دی۔اس موقع پر جس سے جو ہوسکا، وہ مال لے کر آیا۔حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے گھر کا پورا اثاثہ لے کر آگئے۔حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں:

''میں ہر معاملے میں ابو بکرؓ سے پیچھے رہ جاتا تھا۔اس بار سوچا کہ ان سے آگے نکل جاؤں گا۔میں نے اپنے گھر کا سارا سامان اکٹھا کیا، پھر آدھا سامان لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے گھر کا آدھا سامان اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔میرے بعد ابو بکرؓ آئے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ''اے ابو بکر! گھر والوں کے لیے کچھ چھوڑ کر آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: کچھ نہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کل اثاثہ لے کر آگیا ہوں۔حضرت عمرؓ نے کہا: ''میں کبھی ابو بکرؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔'' (سنن ابی داؤد)

غزوہ تبوک ہی کے موقع پر ایک بہت مثالی کردار سامنے آتا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے

انفاق کی ترغیب دی تو حضرت عثمان بن عفانؓ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سو (۱۰۰) اونٹ، ان پر لدے ہوئے مال و متاع کے ساتھ اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو قبول فرمایا، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی۔ حضرت عثمانؓ نے پھر کہا: ''میں مزید سو (۱۰۰) اونٹ دیتا ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو بھی قبول فرمالیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دوسرے صحابہ کو انفاق کی ترغیب دی۔ حضرت عثمانؓ نے پھر کہا: میں مزید سو (۱۰۰) اونٹ ان پر لدے ہوئے مال و متاع کے ساتھ اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔'' اللہ کے رسول ﷺ آب دیدہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے بڑے جذباتی انداز میں فرمایا:

''آج کے بعد عثمانؓ جو کچھ کریں ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔'' (سنن ترمذی: ۳۷۰۰)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار دینار اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیے تھے۔

انفاق کا تعلق دل کی مال داری سے ہے

صدقہ کرنے اور مال خرچ کرنے کی باتیں جب کی جاتی ہیں تو ایسا سمجھا جاتا ہے کہ اس کے مخاطب صرف مال دار لوگ ہیں۔ جو لوگ مالی اعتبار سے اوسط درجے کے ہوں، یا جو لوگ غریب ہوں، وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے مخاطب ہم نہیں ہیں، حالاں کہ انفاق اور صدقہ کا تعلق مال و دولت سے نہیں ہے، اس کا تعلق دل کی مال داری سے ہے۔ غریب سے غریب آدمی بھی صدقہ کرسکتا ہے۔

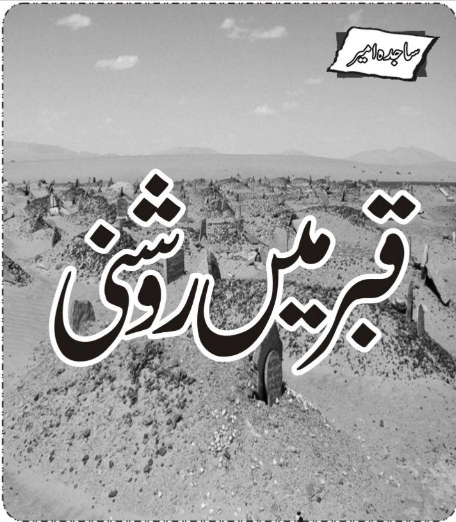
سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب اللہ کے رسول ﷺ نے انفاق کی ترغیب دی تو کئی صحابہ نے سوچا کہ ہمارے پاس تو صدقہ کرنے کے لیے کچھ ہے نہیں، پھر ہم کیا کریں؟ وہ گئے اور رات بھر مزدوری کی، کھجوروں کا باغ سینچا۔ اس کی اجرت کے طور پر جو تھوڑی سی کھجوریں حاصل ہوئیں وہ انہوں نے صبح میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں کہ ہماری طرف سے حاضر ہے، اس کو قبول کرلیجیے۔ (صحیح بخاری)

اصل چیز ہے جذبہ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ آدمی کس جذبے سے اپنا مال دے رہا ہے؟ اس کے یہاں کیفیت دیکھی جاتی ہے، کمّیت نہیں۔

ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''ایک درہم ایک لاکھ درہم پر سبقت لے گیا۔'' صحابہ نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا مطلب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک شخص کے پاس دو درہم تھے۔ اس نے ایک درہم صدقہ کر دیا۔ (اس کا مطلب یہ ہے

بقیہ صفحہ: 86



قبر میں روشنی

ساجدہ امیر

ایک گاؤں میں فیصل نام کا لڑکا رہتا تھا، وہ بہت محنتی اور ذہین تھا۔صبح سویرے اُٹھ کے فجر کی نماز ادا کرتا،نماز ادا کرنے کے بعد روز صبح قرآن مجید کی تلاوت کرنا اسے بے حد سکون دیتا تھا۔

وہ اپنے والدین کا بہت فرمانبردار بیٹا تھا، ہر اتوار اپنے ابو کے ساتھ باغیچے کی صفائی کرواتا اور گھر کے کاموں میں اپنی امی کی مدد بھی کرتا تھا۔فیصل کا ایک چھوٹا بھائی ہے،جس کا نام سہیل تھا۔سہیل بہت آلسی اور نالائق تھا،وہ ہمیشہ جھوٹ بول کر گھر سے باہر نکل جاتا، اور شام کو واپس گھر آتا۔جب بھی اسے نماز یا تلاوت کا کہا جاتا وہ جھوٹ بول دیتا کہ میں نے ادا کر لی ہے یا پھر ادا ہی نہیں کرتا تھا۔

فیصل اپنے بھائی کو بہت سمجھتا تھا لیکن وہ کبھی بھی کسی کی نہیں سنتا تھا۔ بات بے بات امی سے جھگڑا کرنا، بابا کو الٹا جواب دینا اس کی عادت تھی۔ایک دن پورے شہر کی لائٹ کسی وجہ سے چلی جاتی ہے، سارا دن لائٹ نہیں آتی اور سننے میں آتا ہے کہ رات کو بھی بجلی نہیں آئی گی کیوں کہ آس پاس کے کسی علاقے میں ٹرانسفارمر کا کام ہو رہا ہوتا ہے۔اس دن مغرب کے بعد سہیل جب گھر آتا ہے تو ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے بس کھانے کی ٹیبل اور کچن میں موم بتی جل رہی ہوتی ہے۔

”امی!یہ ساری بتیاں کیوں بند کر رکھی ہیں؟“ اندر آتے ہی سہیل غصے میں اپنی امی کو آواز دیتا ہے۔

”بیٹا! آج سارا دن لائٹ نہیں تھی،اور اب کہہ رہے ہیں رات میں بھی نہیں آئے گی۔“ امی نے کھانے کی ٹیبل پر سالن کا ڈونگا رکھتے ہوئے کہا۔

”کیا مصیبت ہے،میرے فون میں چارجنگ نہیں ہے اور اوپر سے بجلی والوں کو پتا نہیں کیا موت پڑ گئی“سہیل غصے میں لال پیلا ہو گیا۔

”سہیل !ایسے نہیں کہتے۔“امی نے کہا۔

سہیل منہ میں بڑبڑاتا ہوا واشروم کی طرف چلا گیا،ہاتھ منہ دھو کے کھانے کی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔

” بھائی اور ابو کہاں ہیں امی“

” وہ نماز ادا کرنے گئے ہیں،آپ کو تو اپنی

نمازوں کی فکر ہی نہیں ہے۔" امی نے جواب دیا۔

"امی! میں بھی حضرت محمد ﷺ کا امتی ہوں، اللہ مجھے بخش دے گا۔" سہیل نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اور اگر ہمارے نبی ہی اپنے اللہ سے بول دیں کہ اِسے جہنم میں پھینک دو پھر؟" پیچھے سے ابو کی آواز آئی۔

"ابو! ایسا نہیں ہوسکتا، ہم نے پڑھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے جنت اور بخشش کی دعا مانگی تھی۔" سہیل مسکرانے لگا۔

"وہ سب ٹھیک ہے میرے بھائی، لیکن ہمارے نبی ﷺ کو اپنے رب کی عبادت کرنا، اُسے سجدہ کرنا بے حد پسند ہے، بھلا جو شخص اللہ کو سجدہ نہ کرے جبکہ قرآن مجید میں بار بار نماز کا کہا گیا ہے تو روزِ محشر نبی کریم کیسے اس کی بخشش کروائیں گے؟" ساتھ ہی فیصل نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"دیکھو بیٹا! کیا آپ چاہتے ہیں بجلی جلدی سے آجائے اور سارا گھر روشن ہو جائے؟"

ابو نے سہیل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"جی ابو!" سہیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو بیٹا سوچو! زمین کے نیچے کتنا اندھیرا ہوگا، کتنے کیڑے مکوڑے ہوں گے، سانپ اور بچھو ہوں گے۔ اگر تب ہماری قبر میں روشنی نہ آئی تو کیا کریں گے؟"

یہ سنتے ہی سہیل کے ہاتھ رک گئے۔

"بیٹا! اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی قبر بھی روشن ہو تو، روز پانچ وقت کی نماز باوضو ادا کیا کرو، اور ہر رات سونے سے پہلے سورت ملک تلاوت کیا کرو۔" ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سورت ملک کیوں ابو؟" سہیل نے پوچھا۔

"کیوں کہ وہ ہماری قبر کو روشن کرے گی اور جب فرشتے حساب لینے آئیں گے تب قرآن مجید آئے گا اور بولے گا کہ مجھ سے حساب لو اسے سونے دو!" امی نے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تب سہیل خاموش ہوگیا۔ سب نے سکون سے کھانا کھایا اور باتیں کرنے لگ گئے۔ امی گرم دودھ کے گلاس لے کر آئیں، ابھی وہ سب پی ہی رہے تھے کہ عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا۔

"چلیں بیٹا؟" ابو نے فیصل سے پوچھا۔

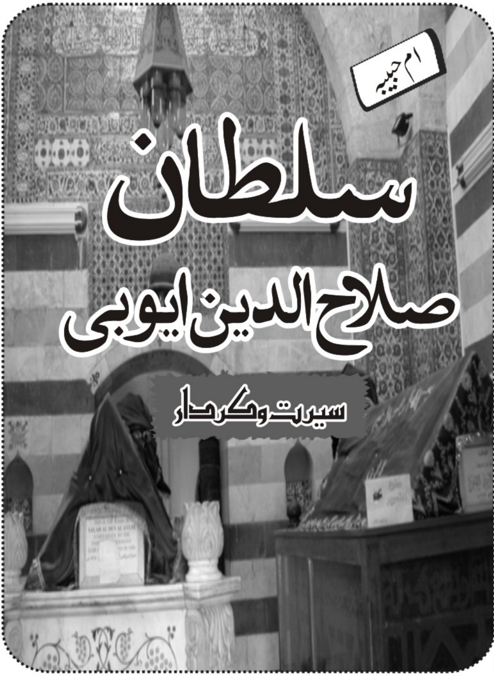
"جی ابو!" فیصل نے جواب دیا۔

"آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟" سہیل نے پوچھا۔

"عشاء کی نماز ادا کرنے" فیصل بولا۔

"میں بھی چلتا ہوں۔" یہ سنتے ہی سب خوش ہو گئے۔ اس دن کے بعد فیصل روز پانچ وقت کی نماز ادا کرنے لگا اور دھیرے دھیرے اس کے رویے میں کافی بدلاؤ آیا، وہ امی کی ہر بات مانتا تھا، اور ابو کے ساتھ مدد کرواتا تھا۔

☆......☆......☆



ام حبیبہ

سلطان صلاح الدین ایوبی

سیرت و کردار

سلطان کی زندگی کی وہ سب سے بڑی خصوصیت جو اسے تمام دوسرے بادشاہوں بہت زیادہ ممتاز کر دیتی ہے اس کا شوق جہاد ہے۔

سلطان کو بادشاہت، اس کے لوازمات اور شان و شوکت کی قطعاً کوئی پرواہ نہ تھی، اس نے مصر، حلب، دمشق، موصل، جزیرہ، فلسطین اور تمام دوسرے علاقے اس لئے نہیں فتح کئے کہ اسے دنیا کا ایک بہت بڑا تاجدار مانا جائے اور اس لئے نہیں کہ وہ عیش وعشرت کی زندگی گزارے۔

اس کے لئے بادشاہت اور اس کے لوازمات شاہی شان و شوکت اور محلات کی زندگی فضول اور بے کار تھی۔ اس نے یہ سارا کھیل اس لئے کھیلا تھا کہ دنیا میں اللہ کا نام بلند ہو۔ وہ علاقے جہاں اسلام ایک بار سر بلند ہو چکا ہے وہاں پھر اسلام کا علم سب سے اونچا دکھائی دے۔

وہ چاہتا تو شاندار محلات میں زندگی گزار سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو ہزاروں خوبصورت کنیزیں، ہزاروں غلام اپنے محلات میں جمع کر سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو سونے اور چاندی کی عالیشان عمارتیں تعمیر کرسکتا تھا مگر اس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ اس نے محلات کی زندگی پر خیمہ کی زندگی کو فوقیت دی۔ اس نے خوبصورت کنیزوں کے جھرمٹ پر چمکتی ہوئی تلوار کو فوقیت دی۔ اس نے عالیشان تخت پر بیٹھنے کی جگہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھنا زیادہ بہتر جانا۔

اس کے لئے لڑائی کا میدان زرق برق لباس پہنے ہوئے سپاہیوں اور درباریوں سے زیادہ دلچسپ تھا۔ اس کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کے اس شوق کی بولتی ہوئی تصویر ہے اس نے ذاتی منفعت اور ذاتی دلچسپی کے لئے

کبھی ایک حبہ خرچ نہیں کیا اور نہ ہی اپنے لئے شان دار محلات بنائے ، وہ اپنی ذات کے لئے انتہائی کنجوس مگر جہاد فی سبیل اللہ پر خرچ کرنے کے لئے انتہائی فیاض تھا کہ یہی ایک مجاہد مسلمان کی اصلی تصویر ہے۔

علامہ بہاؤالدین سلطان کے مورخ کا بیان ہے کہ سلطان کو جہاد کے سوا کسی اور بات کا شوق ہی نہیں تھا۔ نہ اچھا کھانے کا اور نہ اچھا پہننے کا اور نہ اچھے مکان میں رہنے کا۔ اس نے ساری عمر جہاد کے لئے اور اس کی تیاری و اہتمام کے سوا کسی ذاتی کام پر ایک پائی صرف نہیں کی۔

وہ اٹھتے بیٹھتے جہاد ہی کا ذکر کرتا۔ جہاد کی محبت اور شوق اس کے دل میں اس طرح جا گزین ہو چکا تھا کہ اس کے سوا اس دنیا کی کسی چیز سے کوئی رغبت نہ تھی۔ وہ ہمیشہ لڑنے والے سپاہیوں کی تلاش اور ان کی دیکھ بھال میں مصروف رہتا۔ اس کے دربار میں اس شخص کو رسائی ملتی جو جہاد کے لئے اسی کی طرح بیتاب ہوتا۔

جہاد کی محبت میں اس نے اپنے بیوی بچوں اور دوسرے لواحقین کے تعلقات تک کو فراموش کر دیا۔ اس کے بیٹوں اور بھائیوں میں اسے اس شخص سے زیادہ محبت تھی جو اللہ کے رستہ میں زیادہ جرات و دلیری سے لڑتا۔

جہاد فی سبیل اللہ میں اس پر جو مصیبتیں پڑتیں انھیں وہ بڑی خوشی سے برداشت کرتا۔

ایک رات عکہ کے محاصرہ کے وقت بڑی تیز و تند ہوا چل رہی تھی۔ سلطانی خیمہ اس ہوا کی تیزی نہ سہہ سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑ گیا۔

بانس اور اسی قسم کی دوسری چیزیں سلطان کے سر پر آپڑیں۔ اس نے ساری رات سردی اور تیز و تند ہوا میں کاٹی مگر اس کی بلند پیشانی پر ایک شکن بھی نہ پڑی بلکہ اس نئی افتاد نے اس کے شوق جہاد کو اور تیز کر دیا۔

سلطان نے مصر سے جدا ہوتے وقت یہ بالکل صحیح کہا تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ اب مجھے اس عزیز شہر کے چھوڑنے پر مجبور کر رہا ہے۔ مصر مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے مگر جہاد اس سے بھی ہزار درجہ پیارا ہے۔

میں مصر کیا ساری دنیا اور اسکے لوازمات کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ترک کر سکتا ہوں اور اس نے ایسا ہی کیا۔ علامہ ابن شداد کا بیان ہے کہ انھوں نے جہاد اور اس کے احکام سے متعلق ایک ایسی کتاب لکھی تھی جس میں قرآنی آیات، احادیث اور اقوال صحابہ سے جہاد کی فضیلت ثابت کی گئی تھی۔

سلطان کو یہ کتاب بہت عزیز تھی اور وہ اسے فرصت کے وقت بڑی دلچسپی سے پڑھا کرتا تھا۔

سلطان اکثر اپنے علماء سے پوچھا کرتا تھا کہ سب سے افضل موت کونسی ہے؟ تو جواب ملتا، خدا کے راستے میں لڑتے لڑتے مرنا۔ تو وہ یہ سنتے ہی

ہاتھ اوپر اُٹھادیا کرتا اور اللہ سے رورو کر دعا کرتا۔

"اے خدا! مجھے تیرے راستے ہی میں لڑتے لڑتے موت آئے لیکن اس وقت جب میں عیسائیوں کو فلسطین سے نکال دوں۔"

اس کے دل میں جہاد کے سوا اور کوئی آرزو نہ تھی، وہ فلسطین کے علاوہ تمام دنیا سے کفر کا نام ونشان مٹانے کے دلچسپ خواب دیکھا کرتا۔

وہ عماد سے کہا کرتا کہ میں فلسطین سے عیسائیوں کو باہر نکال دوں تو سمندر کا سینہ چیر کر اس کے ملکوں پر حملہ آور ہوں گا اور ساری دنیا کو کفر سے پاک کر دوں گا۔

اس نے اپنی زندگی صحت، دوست، بچے غرض ہر چیز جہاد پر قربان کر دی۔ اس نے جہاد کا شوق پیدا کرنے کے لئے عوام میں دونوں ہاتھوں سے اپنی دولت لٹائی۔ حتی کہ جان بھی جان آفرین کے سپرد کر دی۔

سلطان کے شوق جہاد نے ملت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچالیا۔ اس وقت کے بادشاہ گہری نیند میں سو رہے تھے۔ اس نے سب کو بازو سے پکڑ پکڑ کر اس خواب غفلت سے بیدار کیا۔ اس نے ایک بلند آواز نقیب کی طرح ہاتھ میں تلوار لے کر آواز دی۔

"سونے والو! قوم کی متاع عزیز لٹتی جا رہی ہے۔ اٹھو اس لوٹ کو روکو! عیسائی تمہارے فتح کئے ہوئے بیت المقدس پر قابض ہیں۔ یہ ملک انھوں نے تمہارے ہاتھوں سے چھینا ہے۔ تمہارے لئے شرم کا مقام ہے کہ تم اس کو دشمنوں سے واپس نہ لو!"

اس کی یہ آواز سنی گئی اس کے خلوص و محبت اور بچے عشق جہاد نے فلسطین کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بالآخر چھین لیا۔

عزم وجرات و بہادری

سلطان کے مورخ بہاؤ الدین کا بیان ہے کہ سلطان بڑا، جری، با حوصلہ، بارعب اور انتہا درجہ کا شجاع تھا۔ وہ کبھی کسی مصیبت سے نہیں گھبرایا سخت سے سخت مہم اسے اس کے ارادہ کی تکمیل سے باز نہیں رکھ سکی۔

وہ سخت سردی تند و تیز ہوا اور سخت گرمی کے وقت برابر میدان جنگ میں کھڑا رہتا۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی جماعت کی رفاقت میں دشمن کی بڑی سے بڑی فوج کے ساتھ ٹکرانے سے نہ ڈرتا۔ اس کا ایمان تھا کہ تھوڑے ایماندار بہت سے بے ایمانوں پر بھاری ہیں اور یہی ہوتا رہا۔ اس نے یورپین فوج کی آمد سے پہلے جنگ حیطان میں جو فیصلہ کن جنگ لڑی اس میں اس کی فوج کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

لیکن دشمن کی فوج چھ لاکھ سے کسی طرح کم نہ تھی مگر اس نے اس چھ لاکھ کی فوج کو ایسی شکست دی کہ وہ پھر بھی میدان جنگ میں جم کر نہیں لڑ سکی۔

کیونکہ اس کو اپنے خدا کے اس وعدہ پر اعتماد تھا کہ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة

باذن اللہ۔

وہ سخت بیماری کی حالت میں بھی ضرورت کے وقت میدان جنگ میں اُترنے سے بھی کبھی باز نہیں رہا۔

عکہ کے معرکے میں وہ سخت بیمار پڑا اس کا سارا جسم خرابی خون کے باعث پھنسیوں اور پھوڑوں سے بھرا پڑا تھا۔ پھوڑوں کی تکلیف سے وہ بستر تک پر بیٹھ نہ سکتا تھا مگر جنگ کی ضروریات اسے ہر وقت گھوڑے پر سوار رکھتی وہ سپاہیوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لئے باری باری صفوں کے سامنے جاتا۔ صبح سے لے کر شام تک اس کا یہی معمول تھا، سرداران فوج حیرت سے پوچھتے۔

"جہاں پناہ آپ تو سخت تکلیف میں ہیں اور گھوڑے پر سوار ہیں خیمہ میں جا کر بستر پر آرام فرمائیے!"

سلطان ہنس کر جواب دیتا۔

"مجاہد کے لئے گھوڑے کی پیٹھ بہت زیادہ آرام دہ بستر ہے۔ میں گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھتا ہوں تو ساری تکلیف بھول جاتا ہوں۔"

ہر مقابلہ کے وقت وہ اپنی فوج سے پہلے دشمن کی فوج کا جائزہ لیتا۔ تن تنہا دشمن کی فوج کا چکر کاٹتا۔ عین اس وقت جبکہ بڑے زور کی لڑائی ہو رہی ہوتی سلطان صفوں کو چیرتا ہوا کبھی دائیں اور کبھی بائیں اس پھرتی کے ساتھ پھرتا کہ اس کے جسم پر کوئی زخم نہ آنے پاتا۔ وہ جوش جہاد میں دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتا اور کشتوں کے پشتے لگا دیتا۔ دشمن کی کثرت، تلواروں کی چمک اور تیروں کی بارش اسے کبھی بھی پریشان نہ کر سکی۔

وہ شدت کی لڑائی کے وقت اپنی فوج کا دل بڑھانے کے لئے ہمیشہ سب سے آگے ہوتا اور سب سے پہلے حملہ کرتا دوسرے بادشاہوں کی طرح وہ بلندی پر ایک شاندار خیمہ میں بیٹھنے کا عادی نہ تھا۔

وہ کہا کرتا کہ میں جنگ کے لئے پیدا ہوا ہوں اور یہیں مرنا چاہتا ہوں۔ علامہ بہاؤ الدین کا بیان ہے کہ سلطان جنگ کے دنوں میں کسی وقت آرام کرتا نہیں پایا گیا۔ سلطان جس وقت صفد پہنچا وہ انتہائی سردی کا موسم تھا اور پھر سخت بارش ہو رہی تھی، بارش کا پانی سیلاب کی طرح بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ مگر سلطان نے جس وقت تک شہر پناہ سے متصل کنیقیں نصب نہیں کرا لیں اس وقت تک آرام کے کرنے کا نام نہیں لیا۔

بتیاس کی لڑائی میں سلطان ایک رات صبح تک کام کرتا رہا اور فجر کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے سویا۔ جنگ کوکب میں بھی ایسا ہی ہوا، دونوں فوجیں لڑ رہی تھیں کہ موسلہ دھار بارش ہونے لگی۔ یوں ہی سردی کا موسم تھا۔ بارش اور تند و تیز ہوا نے اور بھی حالت خراب کر دی۔

سلطانی خیمہ دریا کی صورت میں تبدیل ہو گیا، مگر سلطان کی پیشانی پر ایک بھی شکن دکھائی نہ دی

اور وہ دوسرے سپاہیوں کی طرح برابر میدان جنگ میں لڑ رہا تھا۔

عکہ کی جنگ میں سلطان نے خصوصیت سے جو مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں اور پھر سخت بیماری کی حالت میں برداشت کیں انھیں دیکھ کر تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطان انسان نہیں فرشتہ تھا، صرف ایک واقعہ کو دیکھ لیجئے کہ جب عکہ کی فوج تھک گئی تو سلطان راتوں رات دشمن کی بے انتہا کثرت کے باوجود تازہ دم فوج لے کر قلعہ کی دیواروں کے قریب بڑھا اور جان پر کھیل کر کچھ سپاہیوں کو اندر داخل کر دیا اور خود اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کرتا رہا۔

اسی حملہ میں عیسائی فوج کی امداد کے لئے جب رچرڈ آیا تو اس کی فوج کی کثرت نے سلطان پر ذرہ برابر بھی تو اثر نہیں کیا۔ اس کی مبارک اور کشادہ پیشانی پر ایک شکن بھی تو نہیں پڑی اور جب بہاؤ الدین نے فوج کی کثرت اور ساز و سامان کی برتری کی داستان بیان کی تو سلطان نے جواب میں صرف دو لفظ کہے۔

”دوست دل قوی ہونا چاہیے۔ ایسے ہزاروں جہاز تباہ کئے جاسکتے ہیں۔“

اسی عکہ کے ساحل سے قریب جب سلطان ایک تھوڑی سی جماعت کے ساتھ سمندر کا سفر کر رہا تھا تو اس کے سیکریٹری نے کہا: جہاں پناہ! ہمارے ساتھ فوج تھوڑی ہے دشمن کے حملہ کا خطرہ ہے۔

سلطان ہنس کر بولا، ارے میں تو یورپ پر اسی سمندر کے ذریعہ حملہ کرنے والا ہوں۔ تم ابھی سے ڈر گئے ہو میں تو خدا کے راستے میں مرنا چاہتا ہوں، مجھے کثرت اور قلت کی کیا پروا۔

سلطان میں جرات و بہادری کے ساتھ ساتھ ایک اور بھی بڑا وصف تھا وہ مصیبت کے وقت انتہائی صابر تھا۔ ایک دفعہ عین لڑائی کے وقت اس کے پاس اس کے ایک عزیز بیٹے کی وفات کی خبر آئی۔ مگر اس نے لڑائی کے رکنے تک یہ خبر کسی کو معلوم نہ ہونے دی۔

البتہ رات کے وقت یہ خبر اس کے سیکٹریری نے عام کر دی۔ اس طرح ایک دوسری جنگ میں اس کے عزیز ترین بھتیجے اور داماد تقی الدین کی وفات کی اطلاح پہنچی اس کے لئے یہ خبر انتہائی تکلیف کا باعث تھی مگر اسکی آنکھوں میں اس وقت تک آنسو نہ آئے جب تک وہ تنہائی میں نہیں گیا۔ تنہائی میں وہ ضبط نہ کر سکا اور اس کی آنکھیں چشمے کی طرح بہت نکلیں۔ اس چیز کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سلطان کو اپنے بھتیجے اور داماد کی وفات سے کتنا رنج ہوا مگر اس کا کمال دیکھو کہ اس نے میدان جنگ میں یہ خبر عام نہ ہونے دی کہ اس کا اثر جنگ پر برا نہ پڑے۔

مذہبی رواداری اور غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سلطان ایسے باعظمت اور جہاد کے اس

درجہ عاشق کی سیرت کا یہ پہلو یقینا بہت ہی حیرت انگیز ہے کہ اس نے عمر بھر کبھی کسی غیر مسلم کے ساتھ زیادتی نہیں کی اور نہ ہی کسی کے جائز حق کو غصب کیا حیرت ہوتی ہے کہ وہی شخص جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ نثار کر دے۔ جس کی زندگی کی انتہائی آرزو خدا کے راستے میں جہاد ہو۔ فتح کے وقت اپنے خونی دشمنوں کو اس طرح معاف کر دے جیسے ان کے اور اسکے مابین کوئی دشمنی نہ تھی۔

فلسطین میں پانچ سال تک جو طویل جنگ ہوئی اس کا آغاز حطین سے ہوا۔ جنگ حطین میں جب عیسائیوں کو شکست ہوئی تو بیشمار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے ان میں بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ بچے اور بوڑھے تو اسی وقت رہا کر دئے گئے، باقی قیدیوں کو بڑی شرافت کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔ اگر سلطان چاہتا تو ان سب قیدیوں کو قتل کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ قیدیوں کا قتل خونریزی تو ضرور ہے مگر اس سے جہاد کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

سب سے بڑی جنگ جس نے فلسطینی حکومت کو تہس نہس کر دیا وہ جنگ بیت المقدس تھی۔ اس میں جب سلطان کو اپنی قوت بازو کی بنا پر فتح ہوئی تو محض شہر والوں کے امان طلب کرنے کی وجہ سے سلطان نے سب کو معاف کر دیا اور چونکہ بزور شمشیر فتح کی قسم کھائی تھی اس لئے محض اس قسم کو پورا کرنے کے لئے شرعی جواز تلاش کیا گیا اور د و دینار زر مخلصی قرار دیکر ہر شہری کو مع پورے ساز و سامان کے یہاں سے نکل جانے دیا۔

جن کے پاس روپیہ نہ تھا، انھیں خود اپنی طرف سے آزاد کر دیا اور دنیا میں مذہبی رواداری اور انسانی شرافت کا ایک ایسا ثبوت پیش کیا جس کی مثال اس مہذب دور میں بھی بہت کم ملتی ہے۔

بیت المقدس کے علاوہ اس نے جتنے شہر بھی مصالحت کی بنا پر فتح کئے ان کے باشندوں کے ساتھ اس نے انتہائی انسانیت کا سلوک کیا اور ان کی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی طرح کی۔ اس نے ہر مقام پر عیسائیوں کو اس بات کی پوری اجازت دیدی تھی کہ وہ اگر چاہیں تو ذمیوں کی حیثیت میں مفتوحہ شہروں میں رہیں اور چاہیں تو عیسائی علاقوں میں چلے جائیں۔

سلطان چاہتا تو فلسطین کے عیسائیوں کا نام ونشان تک مٹا سکتا تھا وہ چاہتا تو فلسطین میں کبھی کوئی عیسائی دکھائی نہ دیتا لیکن وہ ایسا ذلیل تصور اپنے پاک دماغ میں کبھی نہیں لا سکتا تھا۔ حالانکہ اس کے ساتھ جو لوگ لڑ رہے تھے، انھوں نے بارہا سلطان کی آتش انتقام کو ہوا دینے کی کوشش کی۔ عکہ کے محاصرہ کے وقت رچرڈ نے تین ہزار مسلمانوں کو بلا وجہ امان دینے کے بعد شہید کر ڈالا۔ سلطان چاہتا تو اُن سے ہزار گنا زیادہ عیسائیوں کو بے وفائی اور بدعہدی کے ساتھ قتل کر دیتا۔

لیکن بے وفائی اور بدعہدی اس کے نزدیک کسی طرح جائز نہ تھی۔ میدان جنگ کے سوا وہ کسی دوسری جگہ خون بہانے کو جائز نہ سمجھتا تھا۔ تلوار اٹھاؤ اور لڑو، یا جذیہ قبول کرو، اس نے اپنی ساری زندگی میں اسی اصولی جہاد کی عملی تفسیر پیش کی۔

پانچ سال کی جنگ اور پھر اس سے پہلے کی جنگ ہمارے سامنے ہے۔ کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ سلطان نے کبھی کسی موقعہ پر کمزوروں پر ظلم کیا یا جن کو اس کو نے امان دی ان کے ساتھ دھوکا کیا۔

چند مثالیں

غور کیجئے کہ سلطان حسن برزیہ فتح کرتا ہے۔ وہاں اسے شاہ انطاکیہ کی ملکہ اور شہزادی بھی ملتی ہیں۔ سلطان چاہتا تو ان دونوں کو بھی اصول جنگ کے ماتحت قیدیوں کی صف میں شریک کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور اس نے ان دونوں کو نہ صرف آزاد کر دیا بلکہ بہت سے قیمتی تحفے بھی دئے اور پورے احترام کے ساتھ انھیں شاہ انطاکیہ کے پاس بھجوا دیا۔ سلطان ان دونوں کو اپنے پاس رکھ کر چند سیاسی فوائد بھی حاصل کرسکتا تھا مگر وہ ان اتفاقی حادثوں سے فائدہ اٹھانے کو انتہائی کمینگی سمجھتا تھا۔

انطاکیہ کے دارالخلافہ کے سوا سلطان نے انطاکیہ کے تمام شہروں کو فتح کرلیا تھا مگر ایک دفعہ جب سلطان بیت المقدس سے دمشق واپس جارہا تھا تو راستہ میں شاہ انطاکیہ کا ایک سفیر حاضر ہوا اور سلطان سے اپنے آقا کی طرف سے درخواست کی کہ اگر ساحل کے علاقے اسے از راہ کرم و بخشش واپس فرمادئے جائیں تو وہ سلطان کی اس عنایت کو عمر بھر نہیں بھولے گا۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کرلی۔

کرک کا محاصرہ بڑی سختی سے جاری تھا، شدّت محاصرہ سے تنگ آکر محصورین نے اپنے. بچے اور عورتیں شہر پناہ سے نکال باہر کیے۔ سلطان نے ان سب بچوں اور عورتوں کو نہایت عزت و آبرو کے ساتھ اس وقت تک اپنے پاس رکھا جب تک کرک کے محاصرین نے مصالحت نہ کرلی۔ مصالحت کے بعد ان سب کو ان کے ورثاء کے پاس واپس بھیج دیا گیا۔

علامہ عماد الدین کا بیان ہے کہ وہ اور سلطان ایک دفعہ کہیں جارہے تھے سپاہی نے ایک عیسائی عورت کو سلطان کے حضور پیش کیا کہ یہ عورت زارو قطار رو رہی تھی۔

سلطان نے رونے کی وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اس عورت کی بچی مسلمانوں کی فوج میں ہے اور اس کے بغیر اس کی زندگی موت سے بدتر ہوگئی ہے۔

اس غریب کی ماں کی فریاد سن کر سلطان بھی رونے لگا اور لڑکی بڑی مصیبت سے تلاش کر کے اس عورت کو واپس کر دی اور پھر ماں بیٹی کو بڑی عزت و آبرو کے ساتھ عیسائی علاقہ میں بجھوا دیا۔

☆......☆......☆

مرغ کا ہوائی سفر

عبدالرشید

سالہا سال سے انسان پرندوں کو ہوا میں اڑتے دیکھ کر دل میں کہا کرتا تھا۔

''کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی طرح میں بھی ہوا میں اُڑنے لگوں؟''

اُڑنے کا شوق دھیرے دھیرے بڑھتا گیا اور ان خیالی باتوں نے قصے کہانیوں کی شکل اختیار کر لی۔

سردی کی لمبی راتوں میں لحافوں میں دبکے ہوئے بچے جب بڑے بوڑھوں سے کہانیاں سنتے تو ان میں ایسی کہانیاں بھی ضرور ہوتیں جن میں اُڑن کھٹولے کا ذکر آتا یا بتایا جاتا کہ ایک بادشاہ کے پاس جادو کا ایک قالین تھا جس پر بیٹھتے ہی وہ ہوا میں اُڑنے لگتا اور آنکھ جھپکتے ہی کہیں سے کہیں جا پہنچتا۔

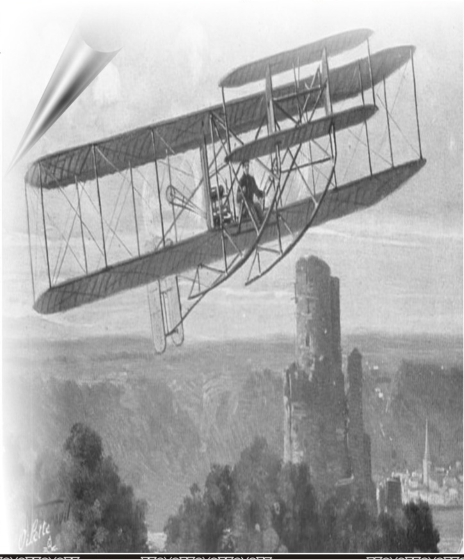
ابتدا میں انسان کود کود کر اور بڑے بڑے جانوروں کے پر بازوؤں سے باندھ کر ہوا میں اڑنے کی کوشش کرتا لیکن دھڑام سے زمین پر آ رہتا۔

دیکھنے والے ان سر پھروں کا مذاق اڑاتے مگر انہوں نے ان کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے کام کو جاری رکھا۔

ایک دن ایک آدمی نے دھوئیں پر تنے ہوئے کپڑے کو ہلتے دیکھا تو اس نے اندازہ کیا کہ اسے دھواں ہلا رہا ہے۔

یہ دیکھ کر اس نے کپڑے کا ایک بڑا تھیلا بنایا اور اس کے نیچے آگ سلگائی۔ دھواں اٹھ کر اس تھیلے میں جمع ہوتا رہا۔

جب تھیلا دھوئیں سے بھر گیا تو اس نے تھیلے کا منہ اچھی طرح بند کر کے ہوا میں چھوڑ دیا۔ تھیلا اُڑا اور جس



سمت اسے ہوا لے گئی، چلا گیا۔

آپ نے شادی بیاہ کے موقعوں پر باریک رنگدار کاغذ کے غبارے اڑتے دیکھے ہوں گے۔ یہ بالکل اسی طرز پر بنائے جاتے ہیں۔ ان کے نیچے تاروں پر کپڑے کی کچھ دھجیاں رکھ کر انہیں آگ لگا دیتے ہیں جس کے باعث غبارے کے اندر کی ہوا گرم ہو جاتی ہے اور وہ اُڑنے لگتا ہے۔

اسی تھوڑی سی کامیابی نے انسان کے حوصلے بڑھا دیئے۔ بعض دوسرے لوگوں نے معمولی سوچ بچار کے بعد یہ اندازہ کیا کہ اگر اس غبارے کو بڑا کر دیا جائے تو یقین ہے کہ وہ اپنے ساتھ کچھ بوجھ بھی اٹھ کر لے جا سکے گا۔

اس خیال کے آتے ہی فرانس میں رہنے والے دو بھائیوں نے ایک تھیلا تیار کیا جس میں گرم ہوا بھر دی گئی۔ اس کے نیچے ایک ٹوکری باندھ کر اور اس میں ایک بطخ، ایک بھیڑ اور ایک مرغ بٹھا کر تھیلے کو ہوا میں چھوڑ دیا گیا۔

غبارہ ان کو لے کر اڑا اور کافی بلندی پر پہنچ کر کچھ فاصلے پر ایک جنگل میں اُتر گیا۔ یہ تینوں مسافر آرام سے نیچے اتر آئے۔

بھیڑ تو جنگل میں سرسبز گھاس چرنے لگی۔ بطخ قریب ہی ایک جوہر میں خوشی سے تیرنے لگی اور مرغ اپنا ہوائی سفر کامیابی سے ختم ہونے پر ککڑوں کا نعرہ لگانے لگا۔

اس کامیابی پر لوگ بہت خوش ہوئے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی صورت نہ نکلی تھی جس سے انسان بھی اُڑ سکے۔ آخر پہلی بار دو آدمی غبارے میں بیٹھ کر ہوا میں اُڑے۔

یہ غبارہ پچیس منٹ تک ہوا میں اُڑتا رہا۔ اس عرصے میں اُس نے پانچ میل کا سفر طے کیا۔ لیکن اس میں یہ مشکل تھی کہ غبارے کے اندر کی ہوا گرم رکھنے کے لیے اس کے نیچے انگیٹھیاں جلانی پڑتی تھیں۔ جب کوئلے ختم ہو جاتے تو غبارہ نیچے چلا آتا۔ پھر بھی ایسے غباروں میں انسان نے ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار میل کے قریب لمبا سفر کیا۔

اس زمانے میں ہائیڈروجن گیس بھی دریافت ہو چکی تھی جو گرم ہوا سے بھی چودہ گنا زیادہ ہلکی ہوتی ہے۔ جب غباروں میں اس گیس کو بھر کر اڑایا گیا تو یہ زیادہ مفید ثابت ہوئی۔

اب تک ان غباروں کی یہ حالت تھی کہ ہوا کا رُخ جس طرف چاہتا انہیں لیے پھرتا۔ انسان کی یہ خواہش تھی کہ کوئی ایسی چیز تیار ہو جائے جس سے وہ غبارے کو جدھر چاہے موڑ سکے، چلا سکے اور روک سکے۔

ہوائی چپوؤں سے چلانے کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر سیگار کی صورت کا ایک غبارہ بنا کر اس کے آگے پنکھا لگایا گیا۔ جس طرح موٹروں کے انجنوں میں آگے کی طرف لگا ہوتا ہے۔

اس پنکھے کو چلانے کے لیے ایک ہلکا سا اسٹیم انجن لگایا گیا۔ اس طرح غبارے کو ہوا کی مخالف سمت میں لے جانے میں کسی حد تک کامیابی

ہوگئی۔ تھوڑے عرصے بعد اسٹیم انجن کو پٹرول انجن میں بدل دیا گیا۔

جرمنی کے مشہور سائنسدان زیپلین نے ہائیڈ روجن گیس کے بڑے بڑے ہوائی گولے بنائے۔ جرمنی اسے کئی شہروں پر بم باری کی گئی لیکن ان میں بہت جہاز بنائے اور پہلی جنگ عظیم میں ان سے کئی شہروں پر بمباری کی لیکن ہائیڈ روجن کی بجائے ہیلیم گیس کے استعمال میں کئی خامیاں تھیں۔

امریکہ والوں نے ہائیڈروجن کی جگہ ہیلیم گیس کا استعمال کیا، کیونکہ یہ آگ نہیں پکڑتی لیکن ایک قیمتی گیس ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال قریب قریب ناممکن تھا۔

جرمنی کے زیپلین ہوائی جہازوں نے فرانس اور انگلستان والوں کو دہشت زدہ کر دیا۔ آخر امریکہ کے دو بھائیوں نے ایسا ہوائی جہاز ایجاد کرلیا جو ہوا سے زیادہ وزنی تھا اور انجن کے ذریعہ چلایا جاتا تھا۔ انہی ہوائی جہازوں کی بمباری سے زیپلن ہوائی جہازوں کو شدید نقصان پہنچا۔ ان بھائیوں کا نام رائٹ تھا۔

سب سے پہلے لینگلی نامی ایک سائنس دان نے ہوائی جہاز میں انجن لگا کر اڑانے کی کوشش کی لیکن اس کی موت نے اس کے ارمان پورے نہ ہونے دیئے۔

لینگلی کے ادھورے کام کو رائٹ برادران نے پورا کیا یہ ایک مدرس کے بیٹے تھے دونوں بھائی ٹوٹی پھوٹی بائیسکلوں کی مرمت کرتے تھے اور جو وقت بچتا تھا اس کو طیاروں کے تجربات میں صرف کرتے تھے۔

پہلے پہل انہوں نے چھوٹے چھوٹے ہوائی جہاز بنائے اور ان میں چھوٹے چھوٹے انجن لگائے۔ انہوں نے ایک ہوائی جہاز ایسا بھی بنایا جس میں پنکھے لگے ہوئے تھے۔ یہ جہاز پرندوں کی طرح اپنے پنکھ پھیلاتا اور سکیڑتا تھا۔

سب سے پہلی پرواز میں طیارہ ایک منٹ تک اڑا لیکن رائٹ برادران کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ اپنے تجربات میں مصروف رہے اور آخر اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے جب انہوں نے اعلان کیا کہ وہ 38 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے 24 میل کا کامیاب سفر کر چکے ہیں تو لوگ حیران رہ گئے۔ دنیا نے دونوں بھائیوں کی بڑی عزت کی اور اب ہر ملک ہوائی جہاز بنانے لگا۔ دوسری بڑی جنگ کے بعد اس نے بہت ترقی کی اور نئے نئے قسم کے جنگی اور سفری جہاز بنائے جانے لگے۔

ریل گاڑیوں کے ذریعے جو سفر دنوں میں طے ہوتا تھا، ہوائی جہازوں کے ذریعے وہی سفر گھنٹوں میں ہونے لگا۔ قریب قریب تمام ملکوں کی اپنی اپنی ہوائی کمپنیاں ہیں جو رات دن مسافروں کو ایک جگہ لانے لے جانے میں مصروف رہتی ہیں۔

ہوائی جہازوں کی ایجاد سے جہاں انسان کو فائدہ پہنچا وہاں نقصان بھی ہوا۔ پچھلی جنگ عظیم میں ہوائی جہازوں نے بہت تباہی مچائی۔

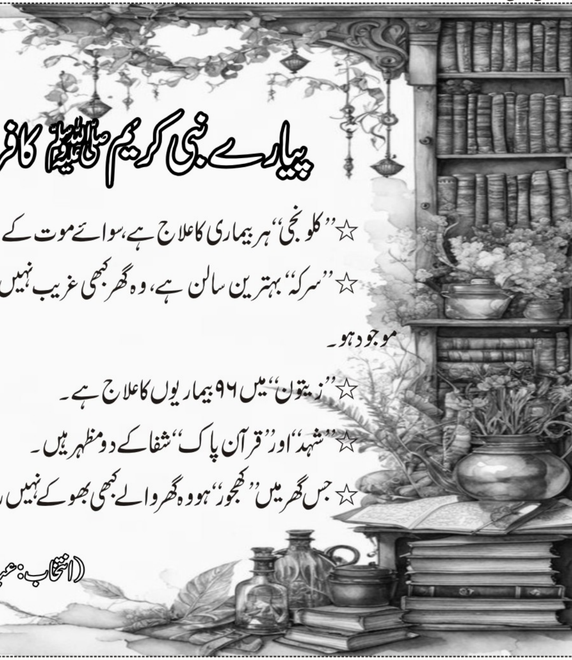
ان کی بمباری سے سینکڑوں بستیاں اجڑیں اور لاکھوں انسان مارے گئے۔ اب بھی جنگ جیتنے کے لیے ہوائی جہازوں کو بہت بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

ہر ملک کی یہ کوشش ہے کہ اس اس کا ہوائی بیڑا زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو تا کہ جنگ کے وقت دشمن کی فوجوں پر بمباری کر کے انہیں تہس نہس کر سکے۔

جوں جوں زمانہ گزرتا جا رہا ہے، نئی نئی قسم کے ہوائی جہاز بنتے جا رہے ہیں۔ اب ان کی رفتار آواز کی رفتار سے زیادہ تیز ہو گئی ہے۔ ایسے جہاز بھی بنا لیے گئے ہیں جو ہوا میں اڑنے کے علاوہ سمندروں میں بھی تیر سکتے ہیں ہیلی کاپٹر نامی جہاز بنایا گیا ہے۔

دوسرے جہازوں کی طرح اس کے اڑنے اور اترنے کے لیے کسی لمبے چوڑے ہوائی اڈے کی ضرورت نہیں۔ یہ کھڑے کھڑے ایک دم اوپر اٹھ جاتا ہے اور اسی طرح نیچے اتر آتا ہے۔

☆......☆......☆



پیارے نبی کریم ﷺ کا فرمان

☆ ''کلونجی'' ہر بیماری کا علاج ہے، سوائے موت کے۔

☆ ''سرکہ'' بہترین سالن ہے، وہ گھر کبھی غریب نہیں ہوگا جس میں سرکہ موجود ہو۔

☆ ''زیتون'' میں ۹۶ بیماریوں کا علاج ہے۔

☆ ''شہد'' اور ''قرآن پاک'' شفا کے دو منظہر ہیں۔

☆ جس گھر میں ''کھجور'' ہو وہ گھر والے کبھی بھوکے نہیں رہیں گے۔

(انتخاب: عبداللہ اعوان)



صحابیات کا ایثار

میمونہ عظیم

اسلام کے درخشاں ابواب میں سے ایثار و قربانی ایک خوبصورت باب ہے، جو اسلام کی عقیدت ومحبت کے رسوخ کی علامت ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ صحابیات کا بے مثال ایثار مختلف خدمات وقربانیوں سے مربوط ایک ایسی لازوال حقیقت ہے کہ جن کے فقط فہم وادراک سے ہی عقل حیران ہوجاتی ہے اوران کی عقیدت ومحبت میں سرشار ہوکر سلامی عرض کرتی ہے۔

صحابیات نے اسلام وامت مسلمہ کے منافع کی خاطر اپنی جان و مال وقف کر کے اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے، ان کا ایثار صرف ایک پہلو کے ساتھ مختص نہیں بلکہ زندگی کے ہر میدان میں (چاہے وہ گھریلو ہو یا سماجی) بلند ونمایاں نظر آتا ہے۔

جانی ایثار:

صحابیات کے اگر جانی ایثار کو دیکھا جائے تو صحابیہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عفراء رضی اللہ عنہ کی مثال ہی کافی ہو جائے گی کہ جن کے سات بیٹے راہِ خدا میں شہید ہوئے اور یوں انہوں نے امِ شہداء کے لقب سے آشنائی سعادت سمجھی۔

مالی ایثار:

مالی ایثار میں اماں خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایثار دیکھیے کہ اسلام کی خاطر سارا مال قربان کردیا اور وہ خاتون جس سے رئیس و سردار نکاح کے خواہش مند تھے، سب کو نظر انداز کر کے آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دیتی ہیں، اور اپنا سارا مال خدمتِ اسلام میں وقف کردیتی ہیں حتی کہ وصال بھی شعبِ ابی طالب میں بھوک کی حالت میں ہوجاتا ہے۔

خانہ داری ایثار:

اگر خانہ داری کے امور میں صحابیات کا ایثار ملحوظ ہو تو خود چراغِ نبوت عزت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر لاڈلی شہزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت دیکھیے! خدماتِ اسلام کے ساتھ گھریلو ذمہ داریوں کو تنِ تنہا بذاتِ خود احسن انداز سے نبھایا باوجود اس کے آپ رضی اللہ عنہا کے لیے رات دو رکعت نفل کے لیے بھی چھوٹی تھی یعنی اس قدر عبادت گذار تھیں لیکن پھر بھی گھریلو ذمہ داریوں کو بھی بخوبی نبھاتیں حتی کہ چکی سے کنویں تک کے پانی لانے کے مشکل کام بھی خود سرانجام دیتیں اور خادمہ کی خواہش پیدا ہونے پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری بھانپ لیتی ہیں تو قربان جاؤں! فوراً سمجھ جاتی ہیں اور وہ خواہش ترک کر کے پہلے سے کہیں زیادہ چاق و چوبند ہوجاتی ہیں۔

علمی و دینی ایثار:

خدماتِ دین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایثار کی طرف نظر کریں تو یقیناً آپ کے ہم پلہ اس روئے زمین میں کوئی نظر نہ آئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عمر و جوانی خدماتِ دین میں صرف کردیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت تو آپ رضی اللہ عنہا کی ابھی ایامِ شباب کی ابتداء تھی۔

سترہ سالہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علوم و فنون کی وسعت کا یہ عالم کہ اجلاء صحابہ دینی مسائل و آراء میں آپ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے اور اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ ایسی حکیمانہ تجاویز و حکمت پر مبنی جوابات دیتیں کہ آج تک انسانی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

سماجی ایثار:

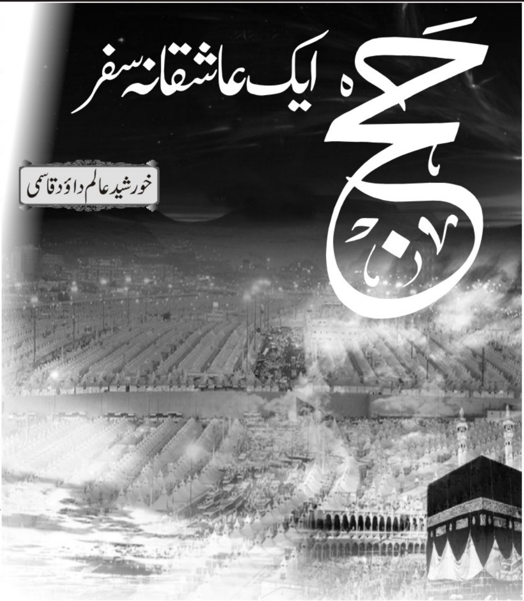
سماجی اعتبار سے بھی ان کا کردار غیر معمولی تھا، وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دے کر ہمیشہ ان کی فلاح بہبود کے لیے کوشاں رہتیں۔

بہر حال یہ باب بہت طویل و وسیع ہے، مختصر یہ کہ صحابیات کا ایثار ہمارے لیے معاشِ زندگی کا بہترین نمونہ ہے اور یہی دنیا و آخرت کی فلاح و سعادت کا راز ہے۔

☆......☆......☆

حج ایک عاشقانہ سفر

خورشید عالم داؤد قاسمی



حج کی فرضیت

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ حج کی فرضیت قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت سے ایسے ہی ثابت ہے، جیسا کہ نماز، روزہ اور زکاۃ کی فرضیت ثابت ہے؛ اس لیے جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ" (سورہ آل عمران، آیت: ۹۷)

ترجمہ: "اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے، یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی اور جو شخص منکر ہو؛ تو اللہ تعالیٰ تمام جہاں والوں سے غنی ہیں"۔

یہ آیت کریمہ حج کی فرضیت کے حوالے سے نصّ قطعی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچوں ارکان کو ایک حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے۔

"بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ" (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۸)

ترجمہ: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا"

ایک عاشقانہ سفر

انسانی طبیعت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ انسان اپنے وطن، اہل و عیال، دوست و رشتہ دار اور مال

و دولت سے انسیت و محبت رکھے اور ان کے قریب رہے۔ جب آدمی حج کے لیے جاتا ہے؛ تو اسے اپنے وطن اور بیوی و بچے اور رشتے دار و اقارب کو چھوڑ کر اور مال و دولت خرچ کر کے جانا پڑتا ہے۔ یہ سب اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ حج کی ادائیگی شریعت کا حکم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے حج کے حوالے سے بہت ہی رغبت دلائی ہے، انسان کو کعبہ مشرفہ کے حج و زیارت پر ابھارا، مہبط وحی و رسالت کے دیدار کا شوق بھی دلایا ہے اور سب سے بڑھ کر شریعت نے حج کا اتنا اجر وثواب متعین فرمایا ہے کہ سفر حج ایک عاشقانہ سفر بن جاتا ہے۔ ذیل کے سطور میں، حج کا اجر و ثواب احادیث شریفہ کی روشنی میں، ملاحظہ فرمائیے!

حج انتہائی نیک عمل ہے

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

”سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ”إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ“ قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ”جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ“ قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: حَجٌّ مَبْرُورٌ“ (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۵۱۹)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سے اعمال اچھے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا“ پوچھا گیا پھر کون؟ فرمایا: ”اللہ کے راستے میں جہاد کرنا“ پوچھا گیا پھر کون؟ ارشاد فرمایا: ”حج مبرور“۔

حج مبرور کیا ہے؟

وہ حج جس کے دوران کوئی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا ہو۔

وہ حج جو اللہ کے یہاں مقبول ہو۔

وہ حج جس میں کوئی ریا اور شہرت مقصود نہ ہو اور جس میں کوئی فسق و فجور نہ ہو۔

وہ حج جس سے لوٹنے کے بعد گناہ کی تکرار نہ ہو اور نیکی کا رجحان بڑھ جائے۔

وہ حج جس کے بعد آدمی دنیا سے بے رغبت ہو جائے اور آخرت کے سلسلہ میں دلچسپی دکھائے۔

حج مبرور کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”العُمْرَةُ إِلَى العُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالحَجُّ المَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الجَنَّةُ“ (بخاری شریف، حدیث: ۱۷۷۳، مسلم شریف، حدیث (۱۳۴۹)-۴۳۷) ترجمہ: ”ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان (گناہوں) کا کفارہ ہے، جو ان دونوں کے درمیان ہوئے ہوں، اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے“

حج پچھلے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے

ابن شماسہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب

کہ وہ قریب المرگ تھے۔ وہ کافی دیر تک روئے، پھر انھوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کرلیا۔ اس پر ان کے صاحبزادے نے چند سوالات کیے۔ پھر انھوں نے (اپنے اسلام قبول کرنے کی کہانی سناتے ہوئے) فرمایا:

جب اللہ نے میرے قلب کو نور ایمان سے منور کرنا چاہا؛ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا داہنا دست مبارک پھیلائیں؛ تاکہ میں بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھیلایا۔ پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا: میری ایک شرط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری کیا شرط ہے؟ میں نے کہا: میری مغفرت کردی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ" (مسلم شریف، حدیث: ۱۲۱-۱۹۲)

ترجمہ: "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اسلام (قبول کرنا) پہلے (کے تمام گناہوں) کو مٹا دیتا ہے؟ ہجرت گزشتہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج پہلے (کے کیے ہوئے گناہوں) کو مٹا دیتا ہے"۔

ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ" (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۵۲۱)

ترجمہ: "جس شخص نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس نے (اس دوران) فحش کلامی یا جماع اور گناہ نہیں کیا؛ تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے پاک ہو کر اپنے گھر اس طرح) لوٹا، جیسا کہ اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو"

فقر اور گناہ کو مٹانے والے اعمال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أَدِيمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ" (المعجم الاوسط، حدیث: ۳۸۱۴)

ترجمہ: "حج اور عمرہ پر دوام برتو؛ کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو ختم کرتے ہیں، جیسا کہ دھونکنی لوہا سے زنگ کو دور کر دیتی ہے"

ایک دوسری حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ، وَالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ" (ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۸۱۰)

ترجمہ: ”حج اور عمرہ ایک ساتھ کیا کرو؛ کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو مٹاتے ہیں جیسا کہ بھٹی لوہا، سونا اور چاندی سے زنگ ختم کر دیتی ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے“۔

برائے حج خرچ کرنے کی فضیلت

ابو زہیر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”النَّفَقَةُ فِي الْحَجِّ كَالنَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ“ (مسند احمد)

ترجمہ: ”حج میں خرچ کرنا اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی طرح، (جس کا ثواب) سات سو گنا تک ہے“

حاجیوں کی دعائیں

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”الْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَفْدُ اللهِ تَعَالَى يُعْطِيهِمْ مَسْأَلَتَهُمْ، وَيَسْتَجِيبُ دُعَاءَهُمْ، وَيَقْبَلُ شَفَاعَتَهُمْ، وَيُضَاعِفُ لَهُمْ أَلْفَ أَلْفَ ضِعْفٍ“ (اخبار مكة للفاكهي، حدیث: ۹۰۲)

ترجمہ: ”حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مانگ ان کو عطا فرماتے ہیں، ان کی دعاؤں کو قبول کرتے ہیں، ان کی شفارش قبول کرتے ہیں اور ان کے لیے ہزار ہزار گنا تک ثواب بڑھایا جاتا ہے“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ”الْغَازِي فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَفْدُ اللهِ، دَعَاهُمْ، فَأَجَابُوهُ، وَسَأَلُوهُ، فَأَعْطَاهُمْ“ (ابن ماجہ، حدیث: ۲۸۹۳)

ترجمہ: اللہ کے راستے کا مجاہد اور حج و عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔

اللہ نے انھیں بلایا؛ لہٰذا انھوں نے اس پر لبیک کہا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے؛ تو اللہ نے ان کو نوازا ہے“

حج کرنے میں جلدی کیجیے

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تَعَجَّلُوا إِلَى الْحَجِّ - يَعْنِي: الْفَرِيضَةَ - فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي مَا يَعْرِضُ لَهُ“ (مسند احمد، حدیث: ۲۸۶۷)

ترجمہ: ”حج یعنی فرض حج میں جلدی کرو؛ کیوں کہ تم میں کوئی یہ نہیں جانتا کہ اسے کیا عذر پیش آنے والا ہے“۔

حج نہ کرنے پر وعید

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا، وَذَلِكَ أَنَّ اللهَ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ”وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنْ

"اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" (آل عمران: ۹۷)

ترجمہ: "جو شخص اتنے توشہ اور سواری کا مالک ہو جائے، جو اسے بیت اللہ تک پہنچا دے، اس کے باوجود وہ حج نہ کرے؛ تو اس کے لیے کوئی ذمے داری نہیں ہے کہ وہ یہودی ہونے کی حالت میں مرے یا نصرانی، اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: "اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا، اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَبْعَثَ رَجُلًا إِلَى هَذِهِ الْأَمْصَارِ، فَلْيَنْظُرُوا إِلَى كُلِّ رَجُلٍ ذِي جِدَةٍ لَمْ يَحُجَّ، فَيَضْرِبُوا عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ، مَا هُمْ مُسْلِمِينَ، مَا هُمْ مُسْلِمِينَ" (السنة لابی بکر بن الخلال ۵/۴۴)

ترجمہ: "میں نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگوں کو ان شہروں میں بھیجوں، پھر وہ ان لوگوں کی تحقیق کریں کہ جنھوں نے استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا، پھر وہ ان لوگوں پر ٹیکس لاگو کریں۔

(کیوں کہ) وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں"

حرف آخر

حج کے اجر و ثواب جو احادیث مبارکہ کی روشنی میں لکھے گئے ہیں، وہ کسی بھی مسلمان کو حج و عمرہ کا شوق دلانے کے لیے کافی ہیں۔ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے، ان کو چاہیے کہ خود کو حج و عمرہ کے عظیم ثواب سے محروم نہ کریں؛ کیوں کہ ہم ہمہ دم نیکیوں کے حصول اور گناہوں وسیئات سے مغفرت کے سخت محتاج ہیں۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ ہماری زندگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہ کاغذ کی ایک ناؤ ہے، جہاں تک پہنچ جائے غنیمت ہے۔ آپ کی یہ ڈیڑھ دن کی زندگی چلی گئی؛ تو پھر کبھی واپس نہیں آئے گی۔ پھر حج کرنے میں کیوں تاخیر!

☆......☆......☆

تین چیزیں

☆ تین چیزیں ہر ایک کو ملتی ہیں۔

خوشی......غم......موت

☆ تین چیزیں ہر ایک کی جدا جدا ہوتی ہیں۔

صورت......سیرت......قسمت

☆ تین چیزیں کبھی چھوٹی مت سمجھیں۔

قرض......فرض......مرض

(محمد اعظم)



بقیہ: انفاق فی سبیل اللہ

کہ اس نے اپنی آدھی دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دی۔) دوسرے شخص کے پاس ڈھیر سا مال تھا۔ اس نے اس میں سے ایک لاکھ درہم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے کل مال میں سے تھوڑا سا حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کیا۔"

انفاق کی عمومی ہدایات

انفاق اور صدقہ وخیرات کی یہ باتیں عہد نبویؐ کے پس منظر میں جب پیش کی جاتی ہیں تو ایک تاثر یہ بھی ابھرتا ہے کہ اس وقت اسلامی حکومت حالتِ جنگ میں تھی۔ فوج کو اسلحہ کی ضرورت تھی۔ سامانِ جنگ فراہم کرنے تھے۔ اس لیے انفاق کی یہ ساری تعلیم وتلقین وسائلِ جنگ فراہم کرنے کے لیے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ صدقہ وخیرات کی تعلیم زندگی کے عام معاملات کے لیے بھی تھی۔ احادیث میں عمومی طور پر صدقہ وخیرات کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے۔ احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آدمی کن لوگوں پر خرچ کرے؟ ان میں رِشتے داروں کو ترجیح دینے کی بات کہی گئی ہے۔ سب سے پہلے آدمی یہ دیکھے کہ اس کے قریبی رشتے داروں میں کون لوگ ضرورت مند ہیں؟ ان کے اوپر خرچ کرے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس صرف ایک درہم ہے۔ میں اسے کہاں خرچ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے اوپر خرچ کرو۔" انہوں نے کہا: "میرے پاس ایک اور درہم ہے۔" فرمایا: "اسے اپنے گھر والوں پر خرچ کرو۔" انھوں نے عرض کیا: "میرے پاس ایک اور درہم ہے۔" فرمایا:

"اسے اپنے رشتے داروں پر خرچ کرو۔"

انہوں نے کہا: "میرے پاس ایک اور درہم ہے۔" آپ ﷺ نے کہا:

"اسے جہاں چاہو، خرچ کرو۔"

(سنن نسائی: ۲۵۴۶)

ایک صحابی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے کچھ رشتے دار ضرورت مند ہیں۔ کیا میں ان کو صدقہ دے سکتا ہوں؟"

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"ان کو ضرور دو۔ ان کو دینے سے تم کو دوگنا ثواب ملے گا۔" صدقۃ وصلۃ۔ یعنی ایک ثواب صدقہ کرنے کا اور دوسرا ثواب صلہ رحمی کرنے کا۔

(سنن ترمذی: ۶۵۸)

انفاق کے معاملے میں صحابہ کرام کی طرح صحابیات بھی پیش پیش رہتی تھیں۔ حضرت عبداللہ

بن مسعودؓ کی اہلیہ، جن کا نام زینب تھا، کچھ کام کرتی تھیں، جس سے کچھ رقم پس انداز کر لیتی تھیں۔

انھوں نے اپنے شوہر سے کہا:

''جائیے، اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھ کر آئیے، کیا میں آپ پر اور آپ کے بچوں پر خرچ کر سکتی ہوں؟ انھوں نے کہا: تم ہی جا کر پوچھ آؤ۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا مسئلہ بتایا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا: ہاں، تم اپنے شوہر پر اور اپنے بچوں پر خرچ کر سکتی ہو۔'' (صحیح بخاری: ۱۴۶۲)

حضرت زینب بنت جحشؓ نہایت فیاض تھیں۔ چمڑے کی دباغت کرتی تھیں۔ جو کچھ آمدنی ہو، سب مساکین پر خرچ کر دیتی تھیں۔

(الاصابۃ، تذکرہ زینب بنت جحش)

حضرت عائشہؓ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ ہاتھ میں آتا سب صدقہ کر دیتی تھیں۔ ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے انھیں اس قدر فیاضی سے روکنا چاہا تو سخت برہم ہوئیں۔ (صحیح بخاری، کتاب المناقب، ۳۵۰۵)

ایک مرتبہ عید کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نماز اور خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد عورتوں کے مجمع کی طرف تشریف لے گئے اور ان سے خطاب کیا۔ آپ نے انھیں صدقہ وخیرات پر ابھارا۔ اس موقع پر حضرت بلالؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ انھوں نے اپنی چادر پھیلائی اور عورتیں اپنے زیورات (گلے کے ہار، کان کی بالیاں، انگلیوں کے چھلّے، پازیب وغیرہ) نکال کر بطور صدقہ چادر میں ڈالنے لگیں۔

(صحیح بخاری: ۹۷۸، صحیح مسلم: ۸۵۵)

اب سوچنا یہ ہے کہ خرچ جو کرنا ہے تو کونسا ایسا مصرف ہے جس میں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہو۔ تو سب سے زیادہ مہتم بالشان مصرف وہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے، ویسے تو اور بھی بہت سے مصرف ہیں لیکن سب سے افضل اور اولین مصرف راہِ جہاد ہے۔

سورۃ توبہ کی آیت میں مصارفِ صدقات بیان کرتے ہوئے ایک مصرف ''فی سبیل اللہ'' ذکر کیا گیا ہے۔ حضرات مفسرین کرام فرماتے ہیں، یہاں پر ''فی سبیل اللہ'' خاص اصطلاح ہے جو کہ باقی سات کے مقابلے میں استعمال کی گئی ہے اگر اسے عام سمجھا جائے تو فقراء ومساکین وغیرہ کو علیحدہ ذکر کرنے کی حاجت نہ تھی وہ سب بھی ''فی سبیل اللہ'' ہیں۔ کتاب وسنت میں ''فی سبیل اللہ'' عام معنی میں بھی آیا ہے جس سے مراد اسلام اور اللہ کی رضا والاراستہ ہے یا پھر خاص اصطلاح ''فی سبیل اللہ'' ہے جو کہ جہاد کے لئے ہے مذکورہ آیت میں یہاں اس سے مراد ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔

☆......☆......☆



وہ کون تھے؟؟!

مجاہد بن محمد ارحابی

ان کا تعلق ایک مشہور اور بہادر قبیلے سے تھا۔ قبیلے کا نام مزینہ تھا۔ ان کا پورا خاندان اسلام سے سچی محبت رکھنے والا تھا۔ ان کے کئی بھائی بھی اسلام کے سپاہی بنے اور سب نے دین کی خوب خدمت کی۔ ان کے ایک بھائی نے فتح مکہ والے دن اپنے قبیلے کا علم اٹھایا ہوا تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہر میدان میں آگے رہے۔ انھوں نے ہجرت بھی کی اور اسلام کی کئی اہم لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ وہ نظم و ضبط کے پکے تھے، اور جنگی منصوبے بنانے میں کمال رکھتے تھے۔ اللہ پر بھروسا، اور دشمن کے سامنے ڈٹ جانے کا حوصلہ، ان کی پہچان بن گیا تھا۔ دور نبوی میں آپ کی جہادی صلاحیتوں کے جوہر کھل چکے تھے، خلفائے راشدین کے دور میں بھی ان کا نام اہم ذمہ داریوں کے لیے سرفہرست ہوتا تھا۔

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں روم و فارس میں جنگی مہمات زوروں پر تھیں۔ ایسے میں ایرانی افواج سے ایک اہم مہم پیش آ گئی۔ دشمن کی لاکھوں افواج نے مسلمانوں کے لیے ایک خطرہ کھڑا کر دیا۔

اس لشکر سے لڑائی کے لیے مسلمان خلیفہ کو ایک اہم سپہ سالار کی تلاش تھی جو اسلامی فوج کو منظم

انداز میں دشمن سے لڑ اسکے۔خلیفہ وقت سوچ و بچار میں لگے رہے اور پھر ان کے ذہن میں انھی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ آگیا اور آپ پکار اٹھے کہ:

”میں نے پالیا، میں نے پالیا۔“

صحابہ کرام نے پوچھا:

”وہ کون ہیں؟“

خلیفہ وقت نے ان کا نام لیا اور بولے:

”یہ شخص مال و دولت کے پیچھے نہیں دوڑتا، اللہ کی راہ میں لڑنا ہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔“

یہ وہ وقت تھا جب ایک بڑی سلطنت یعنی فارسی سلطنت مسلمانوں کے سامنے کھڑی تھی۔دشمن کا لشکر تعداد میں کئی گنا زیادہ تھا۔مگر اس بہادر سپہ سالار نے نہ ہچکچاہٹ دکھائی، نہ خوف۔انہوں نے اپنے لشکر کو تیار کیا، اور لڑائی سے پہلے اللہ سے دعا کی:

”اے اللہ! آج فتح بھی عطا فرما اور شہادت بھی۔“

پھر وہ اپنے گھوڑے سے اترے اور پیدل میدانِ جنگ میں اترے تاکہ سپاہیوں کو جوش دلائیں۔وہ سب سے آگے تھے، دشمن پر تیز حملے کرتے، اور سپاہیوں کو آوازیں دے کر آگے بڑھنے کی ہمت دلاتے۔لڑتے لڑتے ایک تیر ان کے جسم میں لگا، اور وہ زمین پر گرے۔مگر گرنے سے پہلے وہ دشمن کی صفوں میں زلزلہ برپا کر چکے تھے۔

ان کی شہادت کے باوجود ان کے سپاہیوں نے حوصلہ نہ چھوڑا اور زبردست انداز میں دشمن کو شکست دی۔اس عظیم معرکے کو فتح الفتوح کہا گیا، کیونکہ اس کے بعد دشمن کی طاقت ٹوٹ گئی۔

ان کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ، اسلام اور جہاد کے لیے وقف تھا۔وہ آخری سانس تک میدانِ جنگ کے سپاہی بنے رہے، اور ایک ایسی جنگ میں شہید ہوئے جس نے اسلامی تاریخ کا رخ بدل دیا۔شہادت سے پہلے جب ایک مجاہد نے انھیں بتایا کہ اسلامی لشکر جنگ جیت چکا ہے تو انھوں نے شکر الحمدللہ کہا اور پھر قاصد کو مدینہ منورہ روانگی کا حکم دیا۔

اس کے بعد آپ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔جب ان کی شہادت کی خبر ملی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تھے، ان کی شہادت کی خبر سن کر آپ رو پڑے اور اتنا روئے کہ آپ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

یہ شہسوار 21 ہجری کو فارسیوں کے ساتھ پیش آنے والے معرکے میں شہید ہوئے جسے فتح الفتوح کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

☆......☆......☆

شمارہ شوال المکرم کا درست جواب:
حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: ایسی کون سی چیز ہے جو دن میں ایک بار آتی ہے، لیکن رات میں نہیں؟۔

جواب:

ہمارے ہاں تو رات میں دو بار آتی ہے۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: ایسا کون سا پرندہ ہے جو الٹا بھی اڑ سکتا ہے؟؟

جواب:

آج کل ایسے الٹے کام صرف شہباز کرتا ہے۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: ایسا کون سا لفظ ہے جو اُلٹا بھی پڑھیں تو وہی رہتا ہے؟

جواب: اگر آپ کی ساس نے آپ کو کبھی داد دی ہوتی تو اس باب میں آپ کو سوال کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ ٹاٹ پر بیٹھ کر چاچھ پینے سے بھی آپ کو افاقہ ہونے کی امید ہے کہ اس نون میم کے الٹ پھیر میں آپ کو ایسے بہت سے الفاظ مل جائیں گے۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: سائنسدان چاند پر صرف ایک ہی بار

گئے ہیں؟ یہ دوبارہ کیوں نہیں جا رہے؟

جواب: ایک ہی جگہ بار بار جانے سے عزت کم ہو جاتی ہے۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: اگر آپ کے پاس جادو کی چھڑی ہو، تو سب سے پہلا کام کیا کریں گے؟

جواب: اسے توڑ کر پھینک دوں گا۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: اگر آپ چھوٹے ہوتے تو بڑے ہونے کی سب سے اچھی بات کیا لگتی؟ اور اب کیا لگتی ہے؟

جواب: چھوٹے ہونے پر بڑا ہونا اچھا لگتا تھا اب چھوٹا ہونا۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: آپ نے اس بار عید پر عیدی نہیں دی اب بھی امید رکھے یا جواب ہے آپکی طرف سے؟

جواب:

یہاں میں جواب دینے کی ڈیوٹی پر ہوں اس لئے جواب کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: ایسا کون سا جانور ہے جو بول نہیں سکتا لیکن سن سکتا ہے؟

جواب: کان

وہ کون تھے؟؟؟

شمارہ ماہ شوال کے انعام یافتہ

محمد آفاق

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

عزیر فاروق۔ بنت احمد۔ ابوبکر صدیق۔ انور زیب۔ عامر۔

عائشہ بنت احمد۔ محمد رفیق۔ محمد فرحان۔ فاطمہ بنت عمر۔

محمد حبیب اللہ۔ محمد وسیم۔ محمد حسین۔ صائمہ فاروق۔ زہرہ نوید۔



جناب ابوامامہ صاحب!

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے مسلمان بچے جیسے اہم اور فلاحی رسالہ کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

اس رسالے نے بچوں کے ذہنوں میں اسلامی تعلیمات اور مثبت اقدار کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

میں مسلمان بچے کا طویل عرصے سے قاری ہوں اور ہر شمارہ دلجمعی سے پڑھتا ہوں۔

رسالے میں شامل کہانیاں، معلوماتی مضامین اور تعلیمی مواد بچوں کے لیے نہ صرف دلچسپ بلکہ تعلیمی طور پر بھی انتہائی فائدہ مند ہیں۔

ان کہانیوں میں جو پیغامات دیے جاتے ہیں، وہ بچوں کی ذہنی اور روحانی تربیت کے لیے بے حد اہم ہیں۔

خاص طور پر وہ کہانیاں جو اسلامی ہیروز اور عظیم شخصیات پر مبنی ہوتی ہیں، وہ بچوں کے دلوں میں حب وطن، حب رسول ﷺ، اور دیانتداری جیسے اہم اخلاقی اصولوں کو بٹھاتی ہیں۔

آپ کا یہ اقدام کہ آپ اسلامی تاریخ کے مختلف گوشوں کو بچوں تک پہنچا رہے ہیں، بہت قابل ستائش ہے۔

میں نے حال ہی میں مسلمان بچے کے اپریل 2025 کے شمارے میں عید مبارک کا مضمون پڑھا بہت اچھا لگا۔ آپ کا یہ رسالہ نہ صرف تعلیمی بلکہ تربیتی اعتبار سے بھی اہمیت رکھتا ہے۔

اس میں اسلامی روایات، اخلاقی قدریں اور تعلیمی پہلو اتنی خوبصورتی سے پیش کیے گئے ہیں کہ یہ بچوں کو صرف معلومات فراہم نہیں کرتا بلکہ انہیں اچھے انسان بننے کی طرف بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

آخر میں، میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی

محنت کو قبول فرمائے اور مسلمان بچے کا یہ سفر اسی طرح کامیابی سے جاری و ساری رکھے۔

میری یہ درخواست ہے کہ آپ اس رسالے کو مزید بہتر بنانے کے لیے مختلف موضوعات پر مواد شامل کریں جو بچوں کی فکری اور علمی ترقی میں مزید مددگار ثابت ہو۔

والسلام

محمد خالد رؤف

☆......☆......☆

جناب ابو امامہ صاحب!

میں نے مسلمان بچے کا تازہ شمارہ پڑھا اور دل خوش ہوگیا۔

خاص طور پر وہ کہانی 'عید کا سچا رنگ' بہت سبق آموز تھی۔ میری بیٹی نے وہ کہانی دو بار پڑھی اور مجھ سے کہا کہ اب وہ بھی ہمیشہ ایسے کرے گی۔ آپ لوگوں کا اندازِ تحریر، کہانیوں کا انتخاب اور دینی معلومات کا انداز بہت اچھا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس نیک کام میں مزید کامیابیاں عطا فرمائے۔

والسلام

ام حبیبہ

☆......☆......☆

جناب ابو امامہ صاحب!

آپ کے رسالے کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اس میں دینی باتوں کو بہت آسان اور دلچسپ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

میرے دونوں بیٹے، عمر اور حمزہ، اس رسالے سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ انہیں خاص طور پر ''وہ کون تھے'' والا صفحہ بہت پسند ہے۔

وہ اب مجھ سے دینی سوالات کرتے ہیں جو انہوں نے آپ کے رسالے سے سیکھے ہوتے ہیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور اس سلسلے کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

محمد نعیم، ٹنڈو آدم

☆......☆......☆

جناب ابو امامہ صاحب!

میں ہر مہینے مسلمان بچے کا بے صبری سے انتظار کرتا ہوں۔ جب ڈاکیا رسالہ لے کر آتا ہے تو میں سب کام چھوڑ کر پہلے وہ پڑھتا ہوں۔ اس مہینے جو نظم خدا حافظ شائع ہوئی ہے، وہ میں نے اپنے اسکول میں صبح کی اسمبلی میں سنائی۔ سب کو بہت پسند آئی۔ آپ لوگوں کا یہ رسالہ صرف پڑھنے کے لیے نہیں، بلکہ عمل کرنے کے لیے بھی ہے۔ اللہ کرے یہ رسالہ ہر بچے تک پہنچے۔

والسلام

محمد حذیفہ، کراچی

☆......☆......☆

جناب ابو امامہ صاحب!

میں دل کی گہرائیوں سے آپ کو اور آپ کی

پوری ٹیم کو مبارکباد دینا چاہتا ہوں کہ آپ نے ایسا خوبصورت، علمی، اور دینی رسالہ تیار کیا ہے جو بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

جب مجھے پہلی بار "مسلمان بچے" رسالہ ملا، تو میں نے محض تجسس سے اسے پڑھنا شروع کیا، لیکن جیسے جیسے پڑھتا گیا، دل خوشی سے بھر گیا۔

ہر صفحے پر کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملا، اور اندازِ تحریر اتنا دلچسپ تھا کہ دل چاہتا رہا کہ رسالہ ختم نہ ہو۔ خاص طور پر اس مہینے کی کہانی "حدیث کہانی" بہت متاثر کن تھی۔ ہم نے اسے کئی بار پڑھا اور ہر بار ایک نیا سبق حاصل کیا۔

اس کے علاوہ بچوں کے لیے دی گئی دعائیں، اسلامی معلومات، اور سوال و جواب کا حصہ بہت زبردست ہوتا ہے۔

یہ رسالہ صرف وقت گزارنے کا ذریعہ نہیں، بلکہ دین سیکھنے اور سکھانے کا ذریعہ ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالے کو ہر اسکول، ہر مدرسے، اور ہر گھر تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

یہ واقعی امت کے نونہالوں کے لیے روشنی کا چراغ ہے۔ میں نے بھی کچھ لکھ کر بھیجا ہے امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔

دُعاؤں کے ساتھ اجازت

والسلام

ابوبکر صدیق

محترم ابوامامہ صاحب!

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور آپ کے اس نیک عمل میں برکت عطا فرمائے۔

میں ہر مہینے "مسلمان بچے" رسالے کا شدت سے انتظار کرتا ہوں، کیونکہ اس میں صرف کہانیاں نہیں ہوتیں، بلکہ سبق، علم، اور تربیت ہوتی ہے۔ میری بیٹی عائشہ جب سے یہ رسالہ پڑھنے لگی ہے، اس کے اخلاق و عادات میں بہت فرق آیا ہے۔ وہ اب خود نماز کے لیے کہتی ہے، چھوٹوں سے پیار اور بڑوں کا ادب کرتی ہے، اور جو کچھ رسالے میں پڑھتی ہے، اپنے چھوٹے بھائی کو بھی سناتی ہے۔

آپ کے رسالے کا انداز بہت دلنشین ہے۔ کہانیاں مختصر اور سبق آموز ہوتی ہیں، اشعار دل کو چھو لیتے ہیں، اور اسلامی معلومات آسان زبان میں دی جاتی ہیں جو بچوں کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہیں۔

میری دلی خواہش ہے کہ آپ اس کام کو مزید وسعت دیں۔ اللہ آپ کا قلم حق کے لیے رواں رکھے۔

والسلام

نائلہ رفیق

☆......☆......☆

بقیہ: شاہی سواری

دادا جی نے پاس سے گزرتے ہوئے کہا تو حماد کی بقیہ بات منہ میں رہ گئی اور وہ شاکڈ رہ گیا۔ فیصل کی حالت بھی اس سے کچھ کم نہ تھی۔

''دیکھا دادا جی نے دائیں طرف جاتے وقت یہ کہا ہے کہ اس کے بریکس فیل ہیں اور بائیں طرف جاتے وقت وہ یہ کہیں گے کہ پیارے بچو! اس کے کمزور سے ٹائر اپنے ناتواں کندھوں پر اس شاہی سواری کا بوجھ سہارنے سے قاصر ہیں لہٰذا تم اس سے اپنے کندھوں پر سوار کر لینا اور یہاں تاریخ ایک بار پھر خود کو دہرائے گی بس فرق یہ ہوگا کہ ماضی میں گدھے نے کندھوں کی سواری کی اور اب یہ سکوٹر کرے گا'' حماد نے آہ بھرتے ہوئے کہا تو فیصل کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''لو جی! اب اس ڈھیٹ مخلوق کو دیکھو؛ اپنی ہی انسلٹ پر ٹھٹھے سوجھ رہے ہیں اس کو'' فیصل کی ہنسی اسے ہضم نہ ہوئی تو وہ خاصہ جل کر بولا۔

فیصل فوراً سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''ویسے یار! میں بھی سوچ رہا تھا کہ دادا جی نے اپنا موٹر سائیکل میرے حوالے کیسے کر دیا حالانکہ وہ تو کسی کو اپنا بخار بھی نہ دے'' فیصل کی بات کاٹ کر حماد نے ٹکڑا لگایا تو دونوں ہنس دیے۔

''اچھا! چل کوئی پرانا کپڑا لے کے آ کہ اسے میں صاف کر دوں''، فیصل نے کہا تو حماد چوکڑیاں بھرتا ہوا فیصل کے کمرے میں جا پہنچا اور کپڑا اٹھا لایا۔ فیصل نے کپڑا لیا اور جھک کر موٹر سائیکل صاف کرنے لگا۔

''اوئے آہستہ یار چمکانے کے چکر میں کہیں ٹھکانے نہ لگا دینا اسے''

حماد کی زبان پر پھر کھجلی ہوئی۔

''تو نے گاؤں چلنا ہے؟''

فیصل نے اس کی ہدایت کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں'' اس نے جواب دیا۔

''تو پھر چپ کر کے بیٹھ جا!''

''اچھا ٹھیک ہے... لیکن یہ تو بتا کہ، کیا واقعی ہم گاؤں اس جھولے لال پر جائیں گے، مان لے فیصل اس جھولے لال نے آدھے رستے پر ہی ہم سے فاتح خوانی کروانی ہے خود پر'' حماد، اور خاموش رہے، کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا۔

''آہستہ بول! اگر دادا جی نے یہ گستاخانہ گفتگو سن لی؛ تو خیر نہیں پھر تیری''

فیصل نے اسے تنبیہ کی۔

''یہ میری شاہی سواری کی شان میں کیا قصیدے پڑھے جا رہے ہیں نالائقو!'' دادا جی کی آواز پر وہ دونوں اچھل ہی پڑے۔

''وہ......... دادا جی...... کک...

کچھ بھی تو نہیں۔ ہم تو جا ہی رہے تھے بس۔''فیصل نے جلدی سے کہا اور موٹر سائیکل کو کک لگانی چاہی مگر اس سے پہلے کہ وہ کک لگاتا، دادا جی بولے۔

''یہ سٹارٹ نہیں ہوگی''

''کیوں؟'' دونوں بیک وقت بولے۔

''اس میں پیٹرول نہیں ہے بھئی! پیٹرول پمپ تک تو اسے ایسے ہی لے جاؤ''

دادا جی کی بات سن کر دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی، کیونکہ ان کے گھر سے پٹرول پمپ 15 منٹ کے فاصلے پر جبکہ پٹرول پمپ سے آگے گاؤں کا فاصلہ تقریبا 20 منٹ کا تھا۔

دادا جی بڑے مہذب طریقے سے ہمیں یہ کہنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ ''ہم پیدل ہی چلے جاتے ہیں'' حماد نے فیصل کے کان میں کھسر پھسر کی تو فیصل نے کہنی مار کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔

''ارے بھئی! تم دونوں نے یہ کیا عورتانہ حرکتیں شروع کر دی ہیں، جاؤ بھی صحیح'' دادا جی نے دونوں کو گھر کا۔

''ہم پیدل ہی چلے جاتے ہیں دادا جی! بس !پ اس شاہی سواری کو اپنی !خری ارام گاہ یعنی کہ سٹور میں خود ہی پہنچا دیں'' دونوں دل ہی دل میں شاہی سواری کو سوسو القابات سے نوازتے پیدل ہی گیٹ سے باہر نکل گئے کیونکہ بقول ان کے سوری بلکہ بقول ان کی سوچ کے کہ اس لاش کو گھسیٹنے سے بہتر ان کی 11 نمبر گاڑی ہے جس کو کم از کم وہ اپنی مرضی سے چلا تو سکتے ہیں۔

☆......☆......☆

اچھی باتیں

☆ مطالعہ غم اور اداسی کا بہترین علاج ہے۔

☆ جس آدمی کے پاس کتاب ہے وہ اکیلا نہیں ہے۔

☆ محبت ایسا پھول ہے جو کبھی نہیں مرجھاتا۔

☆ گناہ میں لذت ہے مگر سکون نہیں۔

☆ ظالم کی تعریف سے اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

☆ اللہ دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا ہے۔

☆ حقیقی خوشی وہ ہے جو دکھ جھیلنے کے بعد حاصل ہو۔

(انتخاب: عبداللہ اعوان)



تحریروں کی دُنیا

شہرت پسندی

امام ابن قتیبہؒ نے اپنی مشہور کتاب ''عیون الأخبار'' (۱۲۶۶) میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔

مسلم افواج کے سپہ سالار حضرت مسلمہؒ نے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ چالیس روز گزر گئے مگر قلعہ ناقابل تسخیر بنا رہا۔

غور وخوض کے بعد انھوں نے ایک سرنگ کے راستے سے شہر میں داخل ہونے اور صدر دروازے کھولنے کی پلاننگ کی۔

کام بڑے جوکھم کا تھا، اس لیے کسی کو مجبور کرنے کے بجائے انھوں نے رضا کارانہ طور پر کسی کو بھی اپنا نام پیش کردینے کی ہدایت کی۔ مگر فوج میں سے کوئی بھی سامنے نہیں آیا۔

شام ڈھلے ایک سپاہی آگے آیا، اس نے اپنا چہرہ جنگی خود میں چھپا رکھا تھا۔ وہ جان کی بازی لگا کر سرنگ کے راستے قلعے میں داخل ہوا اور مسلمانوں کے لیے صدر دروازہ کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح مسلمانوں کو فتح سے نوازا۔

فتح کے بعد حضرت مسلمہ نے عام منادی کرائی کہ سرنگ میں داخل ہونے والا سپاہی سامنے آئے تاکہ علانیہ اس کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا جاسکے، مگر کوئی نہیں آیا۔

تین دن تک مسلسل اعلان کیا جاتا رہا، مگر نتیجہ وہی رہا۔ تھک کر انھوں نے اعلان کرایا کہ

میں نے اپنے خادمِ خاص کو اجازت دے دی ہے کہ سرنگ میں داخل ہونے والا مجاہد جس وقت بھی چاہے مجھ سے ملنے آجائے۔ وہ براہِ راست میرے پاس آسکتا ہے۔ اسے روکا نہیں جائے گا اور میں قسم دے کر اس سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے ایک بار ضرور آکر ملے۔

اس منادی کے بعد رات کے آخری پہر میں ایک شخص آیا اور خادم سے حضرت مسلمہ کے پاس لے چلنے کی درخواست کی۔

حاضرین وخدام نے پوچھا کہ کیا تم ہی سرنگ والے سپاہی ہو؟ اس نے کہا:

''میں وہ نہیں ہوں، لیکن میں تمھیں اس کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔''

خادموں نے جا کر یہ بات حضرت مسلمہ کو بتائی تو وہ فی الفور ملنے کے لیے رضامند ہو گئے۔

ملاقات ہوئی تو اس آدمی نے کہا:

''سرنگ والے سپاہی نے آپ سے ملنے کی تین شرطیں رکھی ہیں۔

ایک یہ کہ اس کا نام خلیفۃ المسلمین کے سامنے ذکر نہ کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اسے کسی قسم کا انعام نہ دیا جائے۔

تیسرے یہ کہ اس سے پوچھا نہ جائے کہ وہ کون ہے، کس قبیلے سے ہے اور کہاں اس کا گھر ہے۔''

حضرت مسلمہ نے تینوں شرطیں مان لیں تو اس آدمی نے کہا:

''سرنگ والا سپاہی میں ہوں۔''

اور چلا گیا۔

☆......☆......☆

راوی کہتا ہے کہ اس واقعے کے بعد سے حضرت مسلمہ کا معمول تھا کہ اکیلے نماز پڑھتے یا جماعت کی امامت کرتے، وہ نماز کے بعد بہ آوازِ بلند یہ دعا ضرور مانگتے تھے۔

''اے اللہ، میرا حشر، اس سرنگ والے سپاہی کے ساتھ فرما! اے اللہ! اپنے گمنام بندے کو اپنی بہشت میں جگہ دے کر اس کا شایانِ شان اکرام فرما!''

جب بھی اس واقعے کو یاد کرتا ہوں، عجیب کیفیت دل پر طاری ہو جاتی ہے۔

کیا آج ہماری صفوں میں کچھ سرنگ والے دکھائی دے رہے ہیں؟ کیا ہماری تحریکوں اور جماعتوں میں کچھ سرنگ والے موجود ہیں؟ کیا ہمارے اداروں میں کچھ سرنگ والے موجود ہیں؟ دوسروں کو چھوڑیے، کیا ہم خود سرنگ والے ہیں یا اس جیسا بننے کا حوصلہ اور عزم رکھتے ہیں؟

اف یہ جادہ کہ جسے دیکھ کے ڈر لگتا ہے
کیا مسافر تھے جو اس راہ گزر سے گزرے

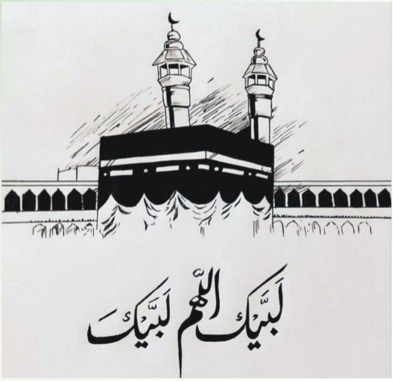
مراسلہ: عبداللہ عزام بنوں

☆......☆......☆

آرٹ گیلری












حج
1 الاحرام
میقات
2 طواف قدوم
3 السعی بین الصفا والمروۃ
4 المبیت فی المنی
5 الوقوف بعرفة
6 المبیت في المزدلفة
7 رمی جمرة العقبة
8 الحلق والتقصیر
9 ذبح الهدي
10 طواف الافاضة
11 رمی جمرات
12 طواف الوداع


علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب
(آمین)


اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

انتخاب: ام حبیبہ

لہو لہو فلسطین

برقِ ستم سے ہیں گُل و گُلزار ، اشکبار
خاکِ غَزہ ہے زخمی و لاچار اشکبار

اُس درد سے تڑپتا ہے سارا جہانِ حق
ہے رنج وغم سے ہر دلِ خوددار اشکبار

لپٹی ہے خاک و خوں میں فلسطیں کی آبرو
ہم، تک رہے ہیں بے بس و ناچار، اشکبار

عیّاش حُکمرانِ عرب، سب خموش ہیں
صد حیف ، شانِ قوم ہے مِسمار، اشکبار

شہہ دیتی ہے یہود کو شاہوں کی خامشی
ہیں اِس دغا سے دین کے غمخوار، اشکبار

ہے پنجۂ یہود میں جان و تن سعود
اقصیٰ کے اور حرم کے ہیں مینار ، اشکبار

اہلِ شعور دیکھیں یہ، اور فیصلہ کریں
غدّار ہنس رہے ہیں، وفادار اشکبار

جس پر ہیں انبیاء و صحابہ کے نقش پا
ہے وہ زمیں شِکستہ وخوں بار، اشکبار

پامال ہو رہی ہے بہارِ تبرکات
اسلامی عظمتوں کے ہیں آثار اشکبار

جس کے بہادروں پہ شجاعت بھی ہے فدا
ہے اب وہ آشیانۂ اَحرار اشکبار
تازہ مَسل دیے گئے گُلہائے زندگی
ہیں ڈالیاں اُداس تو اَشجار ، اشکبار
اُمید کی نظر ہے تری سمت یا رسول
طوفاں ہے سخت ، اور ہے پتوار اشکبار
امت کی خستہ حالی پہ چشمِ کرم حضور
ہے آپ سے مدد کی طلبگار، اشکبار
تیرے سوا ہمارا سہارا کوئی نہیں
ہے چشمِ منتظر اے مددگار اشکبار
اُس سر زمیں پہ حشر سے پہلے ہی حشر ہے
سب اہل حق ہیں در غم و آزار ، اشکبار
تصویر کِھینچ نہ پائے گی اُس درد و کرب کی
ہیں فرطِ غم سے خامہ و افکار ، اشکبار
دوری مٹا کے، ہم سبھی ہو جائیں متحد
ہوتے رہیں گے ورنہ یوں ہی، خوار، اشکبار
تحریر میں چُھپے ہیں جفا کے ہزار درد
اِس داستانِ غم سے ہیں اشعار، اشکبار
کمزوری کے نہیں ہیں، یہ غیرت کے اشک ہیں
دشمن کو اے فریدی تو للکار ، اشکبار